ابو طالب علیہ السلام
مظلوم تاریخ

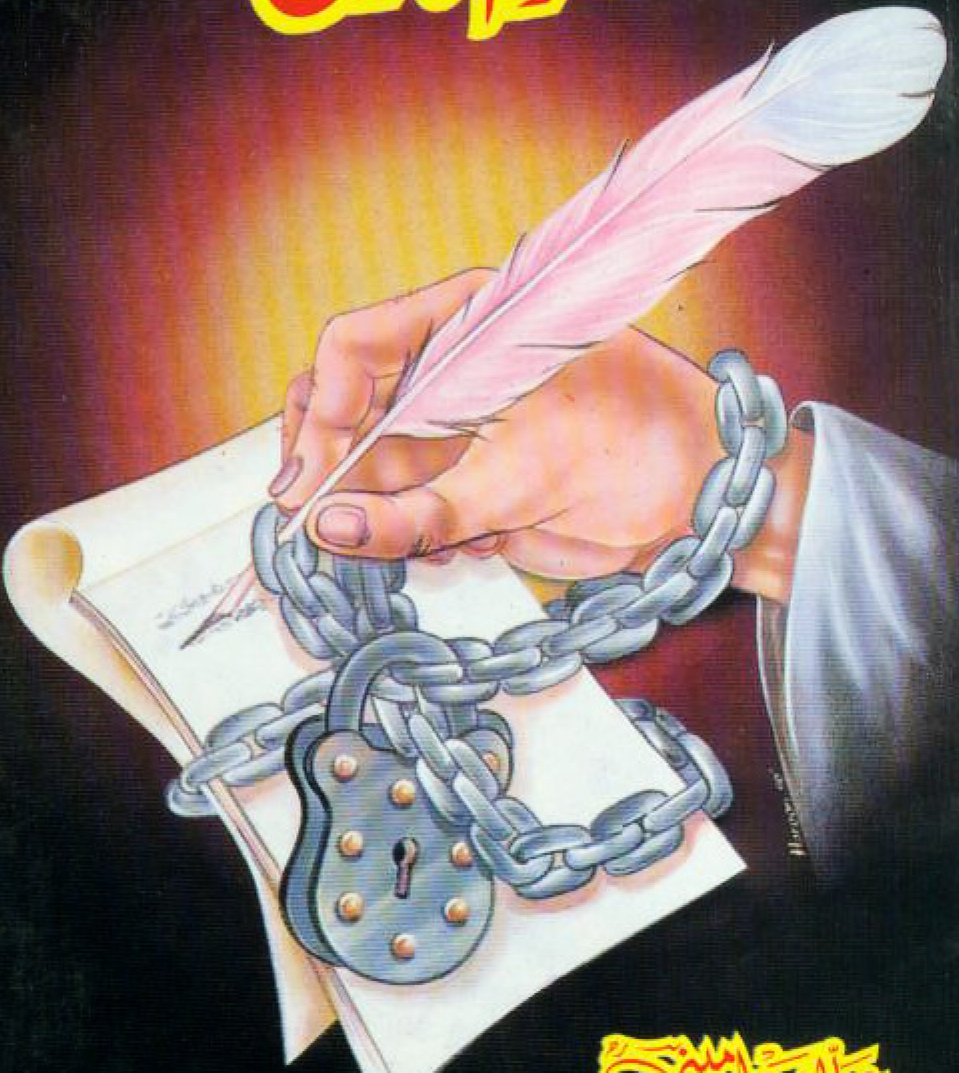

علامہ امینیؒ

ابوطالبؑ

مظلومِ تاریخ

عبدالحسین المعروف علّامہ امینی

(صاحبِ الغدیر)

۱۳۲۰ھ ۔ ۱۳۹۰ھ

جامعہ تعلیمات اسلامی پوسٹ بکس ۵۴۲۵ کراچی۔ پاکستان

اردو زبان میں حقوق طبع دائمی طور پر بحق ناشر محفوظ ہیں

تالیف .... علامہ امینی

ترجمہ .... محمد فضل حق

اہتمام .... رضا حسین رضوانی

کتابت .... اشرف راحت

تصحیح .... کاظم علی گجراتی

مطبع .... زمزم پرنٹرز۔ کراچی

طبع سوم ۲۰۰۳ء

جملہ حقوق محفوظ ہیں یہ کتاب کلی یا جزوی طور پر اس شرط کے ساتھ فروخت کی جاتی ہے کہ جامعہ ہذا کی پیشگی اجازت حاصل کیے بغیر یہ موجودہ جلد بندی اور سرورق کے علاوہ کسی بھی شکل تجارت یا کسی اور مقصد کی خاطر نہ تو عاریتاً کرائے پر دی جائے گی اور نہ ہی دوبارہ فروخت کی جائے گی۔ علاوہ ازیں کسی آئندہ خریدار یا بطور عطیہ حاصل کرنے والے پر یہ شرط عائد نہ کرنے کے لئے بھی ایسی ہی پیشگی اجازت کی ضرورت ہوگی۔

اسلام

"کیا تم نے پوری طرح سمجھ لیا ہے کہ اسلام کیا ہے؟

اسلام ایک ایسا دین ہے جس کی بنیاد حق وصداقت پر رکھی گئی ہے۔
یہ علم کا ایک ایسا سرچشمہ ہے جس سے عقل و دانش کے متعدد چشمے پھوٹتے ہیں۔
یہ ایک ایسا چراغ ہے جس سے لاتعداد چراغ روشن ہوتے رہیں گے۔
یہ ایک ایسا بلند رہنما مینار ہے جو اللہ کی راہ کو روشن کرتا ہے۔
یہ اصولوں اور اعتقادات کا ایک ایسا مجموعہ ہے جو حق وصداقت کے ہر متلاشی کو اطمینان بخشتا ہے۔

اے لوگو! جان لو کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو اپنی برترین خوشنودی کی جانب ایک شاندار راستہ اور اپنی عبودیت اور عبادت کا بلند ترین معیار قرار دیا ہے۔ اس نے اسے اعلیٰ احکام، بلند اصولوں، محکم دلائل، ناقابل تردید تفوق اور مسلمہ دانش سے نوازا ہے۔

اب یہ تمہارا کام ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے جو شان اور عظمت بخشی ہے اسے قائم رکھو۔ اس پر خلوص دل سے عمل کرو۔ اس کے معتقدات سے انصاف کرو۔ اس کے احکام اور فرامین کی صحیح طور پر تعمیل کرو اور اپنی زندگیوں میں اسے اس کا مناسب مقام دو۔"

(امام علی علیہ السلام)

کچھ اپنے بارے میں

حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ سید ابوالقاسم موسوی خوئیؒ

کا قائم کردہ یہ بین الاقوامی ادارہ جامعہ تعلیمات اسلامی پاکستان اب حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ سید علی سیستانی دام ظلہ العالی کی سرپرستی میں دنیا بھر میں معتبر اور مستند اسلامی لٹریچر عوام تک پہنچانے میں کوشاں ہے۔ اس ادارے کا مقصد دور حاضر کی روحانی ضروریات کو پورا کرنا، لوگوں کو محکم اسلامی علوم کی طرف متوجہ کرانا اور اس گرانبہا علمی سرمائے کی حفاظت کرنا ہے جو اہلبیت رسولؐ نے ایک مقدس امانت کے طور پر ہمارے سپرد کیا ہے۔

یہ ادارہ اب تک اردو، انگریزی، فرانسیسی، سواحلی، گجراتی اور دیگر زبانوں میں سیکڑوں کتابیں شائع کرچکا ہے جو اپنے مشمولات، اسلوب بیان اور طباعت کی خوبیوں کی بنا پر فردوس کتب میں نمایاں مقام حاصل کرچکی ہیں۔ نشر واشاعت کا یہ سلسلہ انسانیت کو صراط مستقیم کی شناخت کرواتا رہے گا۔ انشاء اللہ۔

اس کے علاوہ جامعہ ہذا تقریباً ۵۰۰ مدارس ومکاتب میں زیر تعلیم بچوں اور جوانوں کو اسلامی تعلیم کے زیور سے آراستہ کرنے میں اپنا کردار ادا کررہا ہے۔

دعوت اسلام ایک ایسا کام ہے جس کو فروغ دینے کے لئے ہم سب کو باہمی تعاون کرنا چاہئے۔ ادارہ آپ سب کو اس کار خیر میں شرکت کی دعوت دیتا ہے تاکہ اسلامی تعلیمات کو دنیا بھر میں عام کیا جاسکے۔

دعا ہے کہ خداوند منان بحق محمدؐ وآل محمدؑ ہم سب پر اپنی رحمتیں اور برکتیں نازل فرمائے۔

شیخ یوسف علی نفسی

وکیل حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ سیستانی دام ظلہ العالی

قارئینِ گرامی!

یہ کتاب ادارۂ جامعہ تعلیمات اسلامی کی مطبوعات میں سے ہے۔ ادارۂ ہذا کی مطبوعات کی اشاعت کا مقصد دورِ حاضر کی رُوحانی ضروریات کا پورا کرنا اور بالخصوص اسلامی طرزِ فکر کو اجاگر کرنا ہے۔

اِس ادارے نے اس بات کی پوری پوری کوشش کی ہے کہ فقط وہی مواد پیش کیا جائے جو مستند ہو۔ اس کتاب کی تیاری میں بھی یہی احتیاط برتی گئی ہے اور ایسی معلومات بھی شامل کی گئی ہیں جو بہت گراں قدر ہیں۔

آپ سے گزارش ہے کہ اس کتاب کا مطالعہ اِسی نقطۂ نگاہ سے کریں جس کے تحت یہ لکھی گئی ہے۔

آپ سے یہ بھی استدعا ہے کہ ہماری مطبوعات پر اپنی بے لاگ آراء تحریر فرما کر بھیجیں جو بڑی خوشی سے اور شکریے کے ساتھ قبول کی جائیں گی۔

دعوتِ اسلام کو فروغ دینا ایک ایسا کام ہے جس کی انجام دہی کے لیے ہم سب کو تعاون کرنا چاہیے۔ ادارہ آپ کو اس کارِ خیر میں شرکت کی دعوت دیتا ہے تاکہ اِس ارشادِ ربانی کی تعمیل ہوسکے:

"(اے رسولؐ!) کہہ دیجیے: میں تمھیں بس ایک ہی نصیحت کرتا ہوں اور وہ یہ کہ اللہ کی خاطر اجتماعی یا انفرادی طور پر قیام کرو اور پھر غور کرو"

(سورۂ سبا۔ آیت ۴۶)

دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمتیں آپ پر نازل ہوں۔

تعاون کا طلبگار

سکریٹری نشر و اشاعت

وَلَوْلَا اَبُوْطَالِبٍؑ وَابْنُهٗ
لَمَا مَثَلَ الدِّیْنُ شَخْصًا وَقَامَا
فَذَاكَ بِمَكَّةَ اٰوٰی وَحَامٰی
وَهٰذَا بِیَثْرِبَ جَسَّ الْحِمَامَا

اگر ابوُطالبؑ اور ان کا بیٹا رَسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پُشت پناہی کے لیے اُٹھ کھڑے نہ ہوتے تو دینِ اسلام بار آور نہ ہو پاتا۔

ابوطالبؑ نے مکہ میں رسول اللہؐ کو پناہ دی اور ان کی حِمایت کی اور ان کے بیٹے نے مدینہ میں اِسلام کی خاطِر آخری دم تک جِہاد کیا۔

مندرجات

عرض ناشر ۹
مؤلّف کے مختصر حالات ۱۳
پہلا باب
حضرت ابوطالبؑ کے اقوال اور اشعار ۲۷
دوسرا باب
رسول اکرمؐ کی خاطر ابوطالبؑ کی کوشش و زحمت ۴۷
شام کا سفر ۵۰
رسول اکرمؐ کے وسیلے سے بارش کی دعا ۵۶
امیر المؤمنینؑ کی ولادت اور ابوطالبؑ ۵۹
ابوطالبؑ اور آغازِ نبوت ۶۱
حضرت رسولؐ کی گمشدگی ۶۳
آغازِ دعوت اور ابوطالبؑ ۷۱
ابوطالبؑ کی علیؑ کو ہدایت ۷۹
علیؑ کو نماز پڑھنے کی اجازت ۸۲
جعفرؓ کو نماز پڑھنے کی ھدایت ۸۴
حضرت رسولؐ سے ابوطالبؑ کا جوشِ محبّت ۸۵
ابوطالبؑ اور ابن زبعری ۸۸
ابوطالبؑ کا قریش سے برتاؤ ۸۹
قریش کا عہد نامہ اور ابوطالبؑ ۹۶
وقتِ وفات قریش کو نصیحت ۱۰۲
ابوطالبؑ کی اپنے خاندان کو وصیت ۱۰۶
ایک حدیث جو ابوطالبؑ سے مروی ہے ۱۰۸

تیسرا باب
ایمانِ ابوطالبؑ کے متعلق اُن کے اہل و عیال کی رائے ۱۱۱
چوتھا باب
ایمانِ ابوطالبؑ کے بارے میں معصومینؑ کے پاکیزہ کلمات ۱۳۱
پانچواں باب
ایمانِ ابوطالبؑ کے اِثبات میں عُلمائے اہلسُنّت کے قیمتی اقوال ۱۴۱
چھٹا باب
ایمانِ ابوطالبؑ کے بارے میں ان کے متعلقین و معتقدین کی روایات ۱۴۷
ساتواں باب
ایمانِ ابوطالبؑ کا اِثبات کرنے والے مؤلفین ۱۷۹
آٹھواں باب
حضرت ابوطالبؑ کی شان میں مدحیہ اشعار ۱۸۵
نواں باب
ایمانِ ابوطالبؑ کے متعلق غلطیہائے مضامین ۱۹۷
تفسیر قرآن میں غلط بیانی ۱۹۹
نقلِ حدیث میں غلط بیانی ۲۵۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِوَلِيِّهٖ وَالصَّلٰوةُ عَلٰى نَبِيِّهٖ
وَاٰلِهٖ الْأَئِمَّةِ وَاَوْلِيَاءِ الْأُمَّةِ

عرضِ ناشر

زیر نظر کتاب : اَبُوطَالِبؑ ـــــ مظلومِ تاریخ
ایک گرانبہا کتاب "الغدیر" کی جلد ۷، ۸ کے ان حصوں کا ترجمہ ہے جو امیرالمومنین امام علی علیہ السلام کے والد بزرگوار حضرت ابوطالب کے حالات زندگی پر مشتمل ہیں اور بلاشبہ "الغدیر" کے فاضل مؤلف نے دیگر موضوعات کی طرح اس موضوع میں بھی تحقیق و تالیف کا حق ادا کر دیا ہے۔

اردو زبان میں ابوطالب بن عبدالمطلب کی شخصیت پر بہت ہی کم لکھا گیا اور جو کچھ لکھا گیا ہے، اس میں بھی اختلافِ نظر پایا جاتا ہے۔ اس ضمن میں سب سے اہم امر تو یہ دیکھنا ہے کہ حضرت ابوطالب جیسے بزرگوار نے اپنی زندگی میں کونسے کام کس طرح انجام دیے۔ تاریخ کی شہادتوں کے مطابق کہ جن میں سے کچھ اس کتاب میں شامل ہیں، حضرت ابوطالب نے اپنی عمر کا بیشتر حصہ

اسلام، اس کی صحیح تعلیم اور پیغمبر اسلامؐ کے دفاع میں گزارا۔ اس سلسلے میں انہوں نے اپنے قبیلے یعنی قریش کا غصہ مول لیا، طعنے برداشت کیے اور شعب ابوطالب کی سختیاں اور تکلیفیں اٹھائیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام کی وہ نئی اور انقلابی تحریک جو رسول اکرمؐ کی رہنمائی میں چل رہی تھی، شعب ابوطالب کا واقعہ اس کے خلاف قریش کی جانب سے بیک وقت سیاسی، اقتصادی اور معاشرتی دباؤ کی حیثیت رکھتا تھا۔ ان مشکل حالات میں حضرت ابوطالب نے مختلف مواقع پر نظم و نثر میں رسول اکرمؐ کی حمایت کا اعلان کیا اور اپنے بیٹوں (علیؑ و جعفرؓ) کو آنحضرتؐ کے ہمراہ رہنے کی ترغیب دی۔ المختصر انہوں نے اپنی زندگی کا تمام سرمایہ ــــ اسلام اور پیغمبر اسلامؐ پر اس لیے نچھاور کر دیا کہ وہ اسلام کی حقانیت سے آگاہ ہو چکے تھے۔ انہوں نے اپنی زندگی کے آخری لمحات میں بھی اپنے فرزندوں اور اہل خاندان کو رسول اکرمؐ کی حفاظت اور حمایت کرنے کی وصیت کی۔ پھر ان کی وفات پر (جو ام المومنین خدیجہؓ کی وفات سے تقریباً متصل تھی) رسول اکرمؐ کو اتنا دکھ ہوا کہ انھوں نے اس سال کو عَامُ الحُزن (غم کا سال) قرار دیدیا تھا۔

ان تمام روشن تر امور کے باوجود حضرت ابوطالب کو مُشرک کہا جاتا ہے! اس تہمت کی تائید تاریخ کی ایک حیرت انگیز سازش سے ہوتی ہے! پھر اس تہمت کو ثابت کرنے کے لیے بطورِ دلائل آیاتِ قرآن اور احادیثِ رسولؐ بھی پیش کی جاتی ہیں!

اگر ہم تاریخی تجزیہ پیش کرنا چاہیں تو یہ کہہ سکتے ہیں کہ تہمت لگانیوالوں اور روایتیں گھڑنے والوں کی نگاہ میں حضرت ابوطالب کی حیثیت ایک

غیر معمولی انسان کی نہیں کہ ان کا کفر و ایمان یا شرک و توحید قابل توجہ ہو، بلکہ انہیں کافر کہا جاتا ہے تو اس لیے کہ وہ علی مرتضیٰؑ کے والد بزرگوار ہیں۔ کیونکہ یہ ایک قدرتی امر ہے کہ اگر باپ پر ضرب لگائی جائے تو اس کی تکلیف بیٹے کو بھی ہوتی ہے۔ پس اس تمام تہمت اور افترا کا مقصد اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ حضرت ابوطالب کے ایمان کو مشکوک قرار دے کر یا ایک اور قدم آگے بڑھا کر اور انہیں کافر قرار دیکر علی مرتضیٰؑ کو اس حملے کا ہدف بنا لیا جائے!

جو کچھ اوپر کہا گیا ہے اس کی صحت اس وقت واضح ہو جاتی ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ یہی تاریخ، یہی مؤرخین اور یہی روایتیں لانے والے کہ جو حضرت ابوطالب کے بارے میں یہ فیصلہ دیتے ہیں ــــ وہ ان لوگوں کے باپوں کے بارے میں خاموش ہیں جو امام علیؑ کی زندگی میں ہمیشہ ان کے مقابل آتے رہے ہیں ــــ حقیقت اور حق طلب انسانوں کی شہادت کے مطابق وہ امام علیؑ کے وجود کے سورج کی تابناک شعاعوں کے سامنے ہمیشہ موم کی طرح پگھلتے رہے ہیں۔ ہاں تو یہی روایتیں جوڑنے والے ان کے اسلام و ایمان کے بارے میں روایتیں بیان کرتے ہیں اور یہی مؤرخین ان کی فضیلتیں بیان کرتے ہیں۔ اس تاریخ میں اور ان مؤرخین کے ہاں یہ طرفداریاں تو دیکھنے میں آتی ہیں لیکن قوم، قبیلے اور فرقے کے تعصب سے بالاتر ہو کر اصلی تاریخی واقعات کا تجزیہ اور پھر غیر جانبدارانہ فیصلہ نظر نہیں آتا۔ اس کے مقابلے میں علامہ امینی کی خاص خوبی اور ان کا بڑا کمال یہی ہے کہ انہوں نے مکمل غیر جانبداری سے کام لیتے ہوئے تاریخی

واقعات کی تحلیل کا عظیم الشان کام انجام دیا اور شرکِ ابو طالب جیسی تمام تہمتوں کا حقیقت پسندانہ جواب دیا ہے۔

بہرحال ایک کتاب کو اپنا تعارف خود کرانا چاہیے' لہٰذا ہم اس گفتگو کو مختصر کرتے ہوئے اپنے اس بیان کے اختتام پر محض چند نکات کا تذکرہ کرتے ہیں:

ا۔ اس امر کی کوشش کی گئی ہے کہ کتاب کا ترجمہ آسان اور اردو خواں حضرات کے لیے قابلِ فہم ہو۔

ب۔ بعض ایسے اشعار حذف کر دیے گئے ہیں جن کا متن اور اصلی بحث سے تعلق نہ تھا۔ جو محققین اور شائقین وہ تمام اشعار پڑھنا چاہتے ہوں انہیں چاہیے کہ اس کتاب کے اصل عربی متن سے رجوع کریں۔

ج۔ اگرچہ ترجمہ کرنے میں علمی دیانت کے ساتھ پوری کوشش کی گئی ہے کہ ترجمہ اصل متن کے مطابق ہو' پھر بھی ہمارا یہ دعوٰی نہیں کہ ترجمے میں کوئی کمی بیشی نہیں ہوئی ہے۔ اس لیے صاحبِ نظر اور علم دوست حضرات کی طرف سے تعمیری تنقید اور مناسب رہنمائی کا انتظار کیا جائے گا۔

مؤلف کے مختصر حالات

علّامہ امینی

(ماخوذ از الغدیر ضمیمہ جلد اول)

علامہ شیخ عبدالحسین (امینی) ــــ شیخ احمد کے فرزند اور شیخ نجف قلی ملقب 'امین الشرع' کے پوتے ہیں۔ آپ کے نام میں 'امینی' کا لاحقہ اپنے انہی جد بزرگوار کی نسبت سے آیا ہے۔ علامہ امینی نے سنہ ۱۳۲۰ھ میں تبریز کے ایک دینی و علمی گھرانے میں' ایک عالم اور زاہد باپ کے زیرِ سایہ اس دنیا میں آنکھ کھولی۔ بچپن ہی سے آپ کی طبیعت علم و دانش کے حصول کی طرف راغب تھی اور آپ غیر معمولی ذہانت اور قوی حافظے کے مالک تھے۔

انہوں نے ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی اور پھر مدرسۂ طالبیہ میں داخل ہوئے' جو شروع سے آج تک تبریز کے ممتاز علمی مراکز میں شمار ہوتا ہے۔ اس درسگاہ میں انہوں نے ــــ سطحیات و منقولات فقہ و اصول ــــ آیت اللہ سید محمد بن عبدالکریم موسوی عرف مولانا آیت اللہ سید مرتضٰی بن احمد

بن محمد حسینی خسروشاہی، آیت اللہ شیخ حسین بن عبد علی تونوچی اور علامہ شیخ مرزا علی اصغر ملکی جیسے علماء سے پڑھے۔

ان علوم کی تحصیل کے بعد علامہ امینی نے نجف اشرف جانے اور باب مدینۂ علم، امام علی علیہ السلام کے قرب میں رہ کر زندگی گزارنے کا فیصلہ کیا۔ اس مقدس شہر میں آکر انہوں نے ـــ آیت اللہ سید محمد بن محمد باقر حسینی فیروزآبادی، آیت اللہ سید ابوتراب بن ابوالقاسم خوانساری، آیت اللہ مرزا علی بن عبد الحسین ایروانی اور آیت اللہ مرزا عبد الحسین مشکینی جیسے اساتذہ سے فیض حاصل کیا اور انہی کی توجہات کے تحت درس خارج کے مرحلے تک پہنچ گئے۔

ان بزرگ استادوں سے مختلف علوم حاصل کرنے کے بعد ـــ علامہ امینی تبریز واپس چلے گئے اور وہاں احادیث رسولؐ اور اخبار اہل بیتؑ کی روشنی میں درس قرآن دینے لگے۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے مطالعہ، تحقیق اور تالیف کا کام بھی شروع کر دیا۔ کچھ ہی عرصے کے بعد اس محنت کا بہترین ثمرہ ان کی نفیس کتاب "تفسیر فاتحۃ الکتاب" کی شکل میں سامنے آیا، جو ابلاغ علوم آل محمدؐ کے مقدس میدان میں ان کا پہلا قدم تھا۔ اس کتاب کی افادیت کا یہ عالم تھا کہ خود علامہ موصوف بھی اپنے حلقہ درس میں یہی کتاب پڑھاتے تھے۔

ابھی کچھ زیادہ مدت نہیں گزری تھی کہ علامہ امینی نے محسوس کیا کہ ان کی بیتاب روح ان معمولی کاموں سے سیر نہیں ہو سکتی اور وہ ان کو تقدس اور عظمت کے مرکز یعنی نجف اشرف کی جانب جانے پر مجبور کر رہی ہے تاکہ وہ علوی علوم و معارف کے سرچشمے سے سیراب ہو اور پھر اس شہپر پرواز کے ذریعے علم و حکمت کے آسمانوں کی سیر کرے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ دوبارہ اس مقدس شہر میں آ گئے اور

یہیں سکونت اختیار کر لی۔

چنانچہ اس مقدس شہر میں علامہ امینی کو اپنی مطلوبہ متاع مل گئی اور یہاں کے عالی مرتبت علماء کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کی پیاسی روح سیر و سیراب ہو گئی۔ جیسا کہ انہوں نے فلسفہ و کلام میں بلند مرتبہ حاصل کیا اور فقہ و اصول میں اجتہاد و تبحر کے مقام تک جا پہنچے۔ اس مرحلے پر انہوں نے جن استادوں سے فیض حاصل کیا ان میں سے چند بزرگوں کے نام یہ ہیں:

سید مرزا حسن شیرازی المعروف بہ مجدد کے فرزند ـــ آیت اللہ سید مرزا علی، گرانبہا کتاب تنبیہ الامۃ و تنزیہ الملۃ کے مؤلف، آیت اللہ مجاہد، شیخ مرزا حسن نائینی، حوزہ علمیہ قم کے بانی ـــ آیت اللہ شیخ عبد الکریم حائری یزدی، آیت اللہ سید ابوالحسن اصفہانی، آیت اللہ شیخ محمد حسین بن محمد حسن اصفہانی کمپانی اور آیت اللہ شیخ محمد حسین آل کاشف الغطاء وغیرہم کہ جو سب کے سب اسلامی علم و دانش کے متبحر عالم تھے اور جنہوں نے اپنے اپنے زمانے میں قومی تحریکات کی بنیاد رکھی۔

اجازۂ روایت

رسول اکرمؐ کے اہلبیتؑ کی احادیث کے حامل اشخاص کے زمرے میں شامل ہوئے، حضرت رسولؐ و امیر المومنین امام علیؑ کے معارف بیان کرنے والوں کے سلسلے سے تعلق قائم کرنے اور بعد میں آنے والوں سے ان علوم کا تعلق منقطع ہونے کی روک تھام کرنے کا اہم فریضہ اور عظیم شیعی و اسلامی ذمہ داریوں کی انجام دہی کے لیے علامہ شیخ عبد الحسین امینی نے جن بزرگوں سے اجازات

روایت حاصل کیے' ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں :

۱۔۔۔ مرحوم آیت اللہ سید مرزا علی حسینی شیرازی
۲۔۔۔ مرحوم آیت اللہ سید ابوالحسن اصفہانی
۳۔۔۔ مرحوم آیت اللہ شیخ علی اصغر ملکی تبریزی
۴۔۔۔ مرحوم آیت اللہ سید آقا حسین قمی
۵۔۔۔ مرحوم حجۃ الاسلام شیخ علی بن ابراہیم قمیؒ
۶۔۔۔ مرحوم شیخ محمد علی غروی اردوبادی
۷۔۔۔ مرحوم شیخ آقا بزرگ تہرانی
۸۔۔۔ مرحوم شیخ مرزا یحییٰ بن اسد اللہ خوئیؒ [1]

زہد و عبادت

درجۂ اجتہاد پر فائز ہونے کے بعد ۔۔۔ علامہ امینی تدریس اور تحقیق میں مشغول ہو گئے۔ ان کے دن رات اکثر مطالعہ کرنے اور اسلامی علمی میراث سے بہرہ مند ہونے میں گزرتے۔ حتیٰ کہ انہوں نے فلسفہ و کلام' تفسیر' حدیث' تاریخ اور رجال میں ید طولیٰ حاصل کیا۔ اس دوران میں علامہ نے حیرت انگیز حد تک زہد اختیار کیا اور دنیاوی مال و دولت کی طرف کبھی توجہ نہ دی۔ وہ ہمیشہ ان آیات قرآنی کی تلاوت فرماتے تھے جن میں دنیا کی فانی زندگی کی خرابیاں بیان کی گئی ہیں اور اس طرح اپنے آپ کو' اپنے اہل خاندان'

[1] ملاحظہ ہو کتاب "آقا بزرگ تہرانی" مؤلفہ استاد محمد رضا حکیمی۔

دوستوں' شاگردوں اور ہم نشینوں کو وعظ فرماتے تھے۔ علامہ امینی کو قرآن مجید اور دعائیں پڑھنے کا بڑا اشتیاق تھا۔ وہ رات کو اٹھ کر نماز شب ادا کرتے اور اس عبادت کو نماز صبح تک جاری رکھتے تھے۔ وہ ہر روز نماز کے بعد بڑے غور و فکر کے ساتھ قرآن مجید کے ایک پارے کی تلاوت کرتے اور اکثر و بیشتر حرم امیرالمومنینؑ کی زیارت کرتے تھے۔ اس مقدس حرم میں حاضری کے وقت ان پر بے حد خضوع و خشوع طاری ہو جاتا تھا۔ چنانچہ جب وہ خاص مرقد امیرالمومنینؑ کے نزدیک ہوتے تو ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کی وہ جھڑی لگتی کہ جس سے ان کی ڈاڑھی بھیگ جاتی تھی۔ اسی طرح بسا اوقات وہ حرم امام حسینؑ کی زیارت بھی کرتے اور اس کے لیے پا پیادہ کربلا جاتے تھے۔ پھر راستے میں ان کے قریبی کئی ایک دوست بھی ان کے ساتھ ہو لیتے اور ان کا یہ پیدل سفر تین دن اور کبھی اس سے زیادہ دنوں تک جاری رہتا تھا۔ اس بابرکت سفر کے دوران وہ امر بالمعروف' نہی عن المنکر اور لوگوں کی ہدایت سے لحظہ بھر کے لیے بھی غافل نہیں ہوتے تھے۔ جب وہ سید الشہداؑ علیہ السلام کے حرم شریف پر پہنچتے تو والہانہ انداز میں زیارت کے لیے بڑھتے' جبکہ ان کی آنکھیں آنسوؤں سے چھلک پڑتی تھیں۔ ان کی اس طرح کی زیارتیں انہیں کے لیے مخصوص تھیں اور زیارت کے وقت خضوع و خشوع اور بے خودی میں کوئی بھی شخص ان کی برابری نہیں کر سکتا تھا۔

ماہِ رمضان المبارک میں خواہ ان کے کتنے ہی اہم کام ہوتے وہ انہیں روک دیتے اور روزہ داری اور عبادت کے لیے نجف میں رہتے یا کربلا چلے جاتے تھے۔ وہ اس پاک مہینے میں پندرہ مرتبہ قرآن مجید کا

دور کرتے تھے۔ ان میں سے چودہ ختم قرآن کا ثواب چہاردہ معصومین کو ہدیہ کرتے اور ایک ختم قرآن کا ثواب اپنے والد کو ایصال کرتے تھے۔ آپ نے یہ حسن عمل انہوں نے اپنی زندگی کے آخری سال تک انجام دیا اور یوں قرآن و اہلبیتؑ سے تمسک کی ایک زندہ مثال چھوڑ گئے۔

ایسے ایسے اہم امور میں مصروفیت انہیں حاجتمندوں کے بارے میں معاشرتی ذمہ داریاں پوری کرنے سے باز نہیں رکھتی تھی اور وہ کسی سائل اور محتاج کو مایوس نہیں کرتے تھے۔ وہ لوگوں کے رنج و غم میں شریک رہتے اور خود کو سختی میں ڈالتے تھے تاکہ بیکسوں اور محتاجوں کے حالات معلوم کریں۔ پھر ان سے جہاں تک ممکن ہوتا وہ ان کی مشکلات دُور کرنے کی کوشش کرتے تھے۔

تالیفات اور تحقیقات

بزرگوار علامہ امینی نے اپنی تمام عمر مطالعہ، تحقیق اور تالیف میں گزاری۔ انہوں نے اپنی ان کاوشوں کے نتیجے میں مندرجہ ذیل کتابیں بطور یادگار چھوڑی ہیں:

۱۔ تفسیر فاتحۃ الکتاب: یہ کتاب سورۂ فاتحہ کے بارے میں ہے اور اس کی دو فصلیں ہیں۔ پہلی فصل اس سورے کی تفسیر پر مشتمل ہے اور دوسری فصل میں سورے کی تحلیل۔ نیز توحید، قضا و قدر اور جبر و اختیار کے مفاہیم کی وضاحت کی گئی ہے جو سرتاسر رسول اکرمؐ اور ائمہ اطہارؑ کی تعلیمات پر مبنی ہے۔ یہ قابل قدر کتاب ۱۳۹۵ھ میں تہران میں طبع ہوئی۔

۲۔ شہداء الفضیلۃ: یہ نئے موضوع اور قیمتی مندرجات کی حامل ایک تاریخی کتاب ہے۔ اس میں چوتھی سے چودھویں صدی ہجری تک کے ایک سو تیس علماء حق کے حالاتِ زندگی درج ہیں جو حمایت اہلبیتؑ میں جانیں دے کر درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔ یہ کتاب ۱۳۵۵ھ میں نجف میں چھپی اور پھر "شہیدانِ راہِ حق" کے نام سے اس کا فارسی میں ترجمہ بھی شائع ہوا۔

۳۔ کامل الزیارۃ: یہ شیخ ابوالقاسم جعفر بن محمد بن قولویہ (متوفی ۳۶۷ھ) کی تالیف ہے جسے علامہ امینی نے ۱۳۵۶ھ میں تحقیق و تطبیق کے بعد نجف میں طبع کرایا۔

۴۔ ادب الزائر لمن یمم الحائر: یہ کتاب سیدالشہداء امام حسین علیہ السلام کے روضۂ مطہرہ کی زیارت کرنے والوں کے لیے ہے۔ اس میں اہلبیت علیہم السلام کے فرامین کی روشنی میں آدابِ زیارت کا تعین کیا گیا ہے۔ علامہ امینی کی یہ کتاب ۱۳۶۲ھ میں نجف سے شائع ہوئی۔

۵۔ سیرتنا و سنتنا: علامہ امینی نے اپنی اس کتاب میں ان اعتراضات اور ایرادات کا جواب دیا ہے جو حنفی مکتب فکر کی طرف سے شیعہ مسلمانوں کی خاندانِ رسولؐ سے محبت اور عزاداری حسینؑ کے مراسم میں ان کے غلو وغیرہ کے بارے میں کیے جاتے ہیں۔

علامہ نے اس کتاب میں رسول اکرمؐ سے منقول ایسے چوبیس حزنیہ کلمات جمع کیے ہیں جو آنحضرتؐ نے مختلف مواقع پر حتیٰ کہ امام حسینؑ

کی شیر خوارگی کے زمانے میں بھی فرمائے ہیں۔ یہ کتاب ۱۳۴۸ھ میں نجف میں چھپی۔ اس کے بعد "راہ و روش ما" کے نام سے اس کا فارسی ترجمہ بھی ہوا۔

٦۔ تعلیقات مکاسب: علامہ امینی نے شیخ مرتضیٰ انصاری کی تالیف کردہ کتاب "مکاسب" کی تفہیم کے لیے اس پر تعلیقات لکھیں۔

٧۔ تعلیقات رسائل: علامہ امینی نے شیخ مرتضیٰ انصاری کی تالیف کردہ کتاب کی تسہیل کے لیے تعلیقات رسائل لکھیں۔

٨۔ المقاصد العلیّہ فی المطالب السنیّۃ

٩۔ ریاض الانس

١٠۔ رجال آذربائیجان: اس کتاب میں آذربائیجان کے ۲۳۴ عالموں، ادیبوں اور شاعروں کے حالات زندگی درج ہیں۔

١١۔ ثمرات الاسفار: اس کتاب میں علامہ نے اپنے ہندوستان اور شام کے سفر اور ان کے ذریعے حاصل ہونیوالے علمی فوائد کی تفصیل بیان کی ہے۔

١٢۔ العترۃ الطاہرۃ فی الکتاب العزیز ۔ یا ۔ الآیات النازلۃ فی العترۃ الطاہرۃ

١٣۔ الغدیر: علامہ موصوف کی آخری اور زندۂ جاوید تصنیف "الغدیر" ہے اور درحقیقت یہی کتاب ان کی عمر بھر کی تلاش و جستجو کا حاصل اور ان کی علمی خدمات کا شاہکار ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ "الغدیر" علامہ امینی کی وہ تالیف ہے جس

سے ان کی تخلیقی صلاحیت، زبان و بیان میں مہارت، بے تکان مشقت اور اپنے ہدف تک پہنچنے کے لیے تکالیف اٹھانے کی وافر ہمت کا ثبوت ملتا ہے۔ نیز اس بلند پایہ کتاب سے ان کی اعلیٰ علمی قابلیت اور تصنیف و تالیف میں ان کی حیرت انگیز ہنرمندی اور مہارت کا پتہ چلتا ہے۔

علامہ امینی نے اپنی عمر عزیز اس جاودانی تصنیف کے لیے وقف کر دی اور پھر اس کی بدولت انہیں ایک "نیا جنم" اور نئی شخصیت نصیب ہوئی۔ اس کتاب کی تالیف کی خاطر انہوں نے ہزاروں کی تعداد میں مطبوعہ اور قلمی کتابوں کا مطالعہ کیا۔ انہوں نے اس مقصد کے حصول کے لیے بے حد محنت کی تاکہ اپنے زمانے اور اس کے بعد ہر زمانے کے انسانوں کے سامنے "الغدیر" کی صورت میں ایک شمع روشن کر جائیں۔

اس کتاب کی تالیف کی خاطر انہوں نے درس و وعظ کا سلسلہ بند کر دیا اور سب کچھ چھوڑ کر دن رات میں سولہ گھنٹے اپنے کتب خانے میں لکھنے پڑھنے اور تحقیقی کام کرنے کے لیے مخصوص کر رکھے تھے تاکہ "الغدیر" کو خلعت وجود سے مزین کر دیں۔ ظاہر ہے کہ یہ کام عام انسانوں کی قوت اور ہمت سے بالاتر ہے لیکن ایک ایسا مرد میدان کہ جو ایک زندۂ جاوید کارنامہ انجام دینے کے لیے آگے آیا ہو، اسے ان تکلیفوں کی کیا پروا! چنانچہ الغدیر کی تالیف کے دوران بجز ایسے مواقع کے جب علامہ امینی اپنے راستے کی کوئی مشکل حل کر لیتے تھے، انہیں خوش و خرم دیکھنا ممکن نہ تھا۔ یوں انہوں نے بلند ترین انسانی قدروں کی حفاظت کی خاطر اپنی زندگی کے تقریباً پچاس سال قربان کر دیے۔

علامہ امینی نے الغدیر کی تصنیف کے لیے ضروری مطالعہ کے دوران نجف کے تمام مشہور کتب خانے کھنگال ڈالے اور اس سلسلے میں بہت تکالیف اٹھائیں۔ حتیٰ کہ بعض مشکلات کی بنا پر وہ ایک طویل مدت تک نجف کے حسینیہ کتب خانے میں رات سے صبح تک مطالعے، تحقیق اور تحریر میں مشغول رہتے تھے اور دن کو اپنے کتب خانے میں بھی مسلسل مصروف کار رہتے تھے۔

نجف کے کتب خانوں سے مستفید ہونے کے بعد علامہ امینی نے عراق کے دیگر کتب خانوں سے مواد فراہم کرنے کے لیے مسافرت اختیار کی اور اس دوران میں کربلا، سامرا، بغداد، حلہ اور بصرہ کے بیشتر کتب خانوں سے استفادہ کیا۔ تاہم جس بلند ہمت بزرگوار نے واقعہ غدیر کے اثاثوں کی حفاظت کے میدان میں قدم رکھا تھا، اس کے لیے یہ محدود معلومات قطعی طور پر ناکافی تھیں۔ لہذا وہ ایک طویل سفر پر روانہ ہو گئے اور اس کے لیے وہ سب سے پہلے ایران آئے، جہاں انہوں نے مشہد، تہران، بروجرد[1] اور کرمانشاہ[2] کے علمی کتب خانوں سے استفادہ کیا۔

پھر علامہ ہندوستان گئے جہاں انہوں نے لکھنؤ، رامپور، پٹنہ اور حیدر آباد میں موجود علمی کتب خانوں سے استفادہ کیا اور اپنی کتاب

---

[1] علامہ امینی نے بروجرد میں آیت اللہ بروجردی کے کتب خانے سے استفادہ کیا، جو ان ایام میں وہاں مقیم تھے۔

[2] کرمان شاہ میں علامہ امینی کو آقا حیدر علی خاں سردار کابلی کے کتب خانے سے استفادہ کرنے کا موقع ملا۔

الغدیر کے لیے تحقیق و تدقیق کے اہم کام کے ساتھ ساتھ وہاں کے لوگوں کے رشد و ہدایت کے لیے بھی برابر سعی و کوشش فرمائی۔

اس کے بعد ۱۳۸۴ھ میں آپ شام گئے جہاں آپ نے دمشق اور حلب کے کتب خانوں سے معلومات حاصل کیں۔ اس سے تین سال بعد ۱۳۸۰ھ میں علامہ امینی ترکی تشریف لے گئے اور مطالعہ و تحقیق کی خاطر یہ ان کا آخری سفر تھا۔ اس ملک میں انہوں نے استنبول، بورسا اور خان وغیرہ کے علمی و اسلامی کتب خانوں میں مختلف موضوعات کی کتابیں دیکھیں۔

یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ اس طویل علمی سفر میں علامہ امینی نے بہت سی گرانبہا کتابوں کی متعدد نقول تیار کرائیں۔ اگر وہ ان کتابوں کی طرف توجہ نہ دیتے تو عین ممکن تھا کہ یہ یکسر معدوم ہی ہو جائیں اور یہ انمول علمی سرمایہ آئندہ نسلوں کے لیے باقی نہ رہتا۔

ترکی کا مطالعاتی دورہ مکمل کر لینے کے بعد علامہ امینی نجف واپس آ گئے اور وہاں مکتبۃ الامیر المومنین العامہ کے قیام اور اجراء کے کام میں مصروف ہو گئے۔ یہ مکتبہ نجف میں آج بھی موجود ہے اور بہترین علمی خدمات انجام دے رہا ہے۔ اسکے لیے علامہ نے بہت سے قدیم قلمی نسخوں کی مائیکرو فلمیں بھی تیار کرائی تھیں، تاکہ وہ موسمی اثرات سے پیدا ہونیوالی خرابیوں سے محفوظ رہیں۔

ہاں مگر ادھر تو علامہ امینی مذہب و ملت کے لیے ایسی ایسی شاندار خدمات انجام دے رہے تھے اور اُدھر ان کی زندگی کی شمع گل ہونیوالی تھی۔ کیونکہ بیماری نے ان پر پوری شدت کے ساتھ غلبہ پا لیا تھا۔ لہذا

انہوں نے طے کیا کہ کتاب الغدیر کے وہ حصے جو ابھی کتابت شدہ مسودے کی شکل میں تھے اور ان کی طباعت ہونا تھی، ان کی پروف ریڈنگ کا کام اپنے فرزند کے سپرد کردیں۔ چنانچہ یہ کام آپ کے گھر میں اور اس ہسپتال میں جہاں آپ داخل تھے ــــ برابر جاری رہا اور دو سال میں مکمل ہو گیا۔ حتیٰ کہ اس روشن شمع کے گُل ہونے کا وقت قریب آ پہنچا اور ۲۸ ربیع الثانی ۱۳۹۰ھ بروز جمعہ ان کی حالت تشویشناک ہو گئی۔ اپنی زندگی کے ان آخری لمحات میں انہوں نے خواہش کی کہ پانی میں خاکِ شفا ملا کر اس سے ان کا حلق تر کیا جائے ــــ نیز ان کے پاس دعائے عدیلہ پڑھی جائے، جسے سن کر وہ خود بھی آہستہ آہستہ پڑھتے رہیں۔ پھر فرمایا کہ امام سجادؑ کی کچھ دعائیں انہیں پڑھ کر سنائی جائیں۔ اسی طرح ذکر و تلاوت کا سلسلہ جاری رہا، یہاں تک کہ ظہر کی اذان کا وقت قریب آگیا۔ تب علامہ نے بولنا شروع کیا اور ان کے آخری الفاظ یہ تھے:

"اے پروردگار! یہ سکرات موت کی کیفیت ہے جو مجھ پر طاری ہو گئی ہے۔ پس میری جانب توجہ فرما اور مجھے تحمل کی وہی قوت عطا فرما جو تو اپنے صالح بندوں کو دیا کرتا ہے....."

ابھی ــــ یہ دعا ختم نہیں ہوئی تھی کہ انہوں نے داعی اجل کو لبیک کہا اور ان کی روح ملکوت اعلیٰ کی جانب پرواز کر گئی۔ یوں حق کے اس عالی ہمت پاسدار کی زندگی کا دفتر اپنے صفحۂ آخر پر جا ختم ہوا۔

علامہ امینی کی وفات سے اسلامی ممالک پر رنج و غم کے سیاہ بادل

چھا گئے۔ آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور مجالسِ عزا برپا کی گئیں۔

علامہ امینی نجف اشرف میں اس جگہ مدفون ہیں جو انہوں نے خود اپنی زندگی میں اپنے لیے منتخب کی تھی ــــ لیکن:

ہرگز نمیرد آن کہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

پہلا باب

حضرت ابوطالبؑ

کے

أقوال اور أشعار

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت ابو طالبؑ پر خدا کا سلام ہو۔ ہم یہاں ان کے موتیوں جیسے وہ دلربا اشعار بطور نمونہ نقل کرتے ہیں جو حدیث، تاریخ اور سیرت کی کتابوں میں پائے جاتے ہیں۔

حضرت ابو طالبؑ نے حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے لیے

کچھ اشعار کہے ہیں۔ انہوں نے اپنے ان اشعار میں اسے اچھی ہمسائیگی کا حق ادا کرنے اور ان مسلمانوں کی حفاظت کرنے کی ترغیب دلائی ہے، جو مکہ سے ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے تھے۔ جیسا کہ وہ فرماتے ہیں:

نیک اور برگزیدہ لوگ جانتے ہیں کہ محمدؐ ـــــ موسیٰؑ اور مسیح ابن مریمؑ کے وارث اور جانشین ہیں اور ہمارے لیے وہی ہدایت بطور تحفہ لائے ہیں جو وہ دونوں لائے تھے۔

کیونکہ وہ سب خدا کے حکم سے راستہ دکھاتے ہیں اور بندوں کا اس

سے رشتہ جوڑتے ہیں۔ ہاں تم (مسیحی) اپنی کتابوں میں ان (محمدؐ) کے اوصاف پڑھتے ہو، وہ کوئی جھوٹی کہانی نہیں، ایک سچی خبر ہے۔

(اے نجاشی) تم ایک ایسے شخص ہو کہ محمدؐ کی امت کے افراد جب بھی تمہارے پاس پہنچے، وہ تمہاری تعریف و توصیف کرتے ہوئے واپس آئے اور کوئی بری یاد لے کر نہیں آئے۔ [1]

حضرت ابوطالبؑ ایک اور قصیدے میں فرماتے ہیں:

اس فتح اور نصرت کے وقت غالب، لوی اور تیم کے سرداروں سے کہہ دو کہ (محمدؐ کے خلاف) قوم کے اس بے فائدہ ہنگامے میں ہم (بنی ہاشم) خدا کی تلواریں ہیں اور ہم ہر بڑائی اور بزرگی کے حامل ہیں۔

کیا تم نہیں جانتے کہ تعلق منقطع کر لینا ــــ بہت بڑا گناہ، بہت بڑی الجھن اور بے وقوفی کا کام ہے۔ کیا تم نہیں جانتے کہ کل کو انسان کے ظاہری و باطنی کمال کا راستہ روشن ہو جائے گا؟ دھوکہ نہ کھانا کہ دنیا کی نعمتیں ہمیشہ رہنے والی نہیں ہیں۔

پس ایسا نہ ہو کہ محمدؐ کے بارے میں تمہارے یہ پریشان خواب تمہیں حماقت تک لے جائیں اور ایسا نہ ہو کہ تم پست اور گمراہ لوگوں کے پیرو بن جاؤ۔

تمہاری آرزو تھی کہ اس (محمدؐ) کو قتل کر دو، حالانکہ تمہاری یہ آرزو پریشان خوابوں کی طرح بے سروپا تھی۔

---

[1] مستدرک حاکم جلد ۲ صفحہ ۶۲۳، بحوالہ ابن اسحاق

تم نے یہ سمجھا کہ ہم (بنی ہاشم) محمدؐ کو تمہارے حوالے کر دیں گے اور تمہارے مقابلے پر آ کر اس کا دفاع نہ کریں گے۔

(جان رکھو کہ) وہ ایک ایسا پیغمبر ہے جس پر خدا کی طرف سے وحی نازل ہوتی ہے جو کوئی اس کی دعوت کا جواب "نہ" میں دے گا، وہ آخر کار پشیمانی کے مارے دانت سے دانت کاٹے گا۔

(دیکھو تو سہی کہ) اصل اور نسب کا ہاشمی اس پیغمبرؐ کا طواف کر رہا ہے۔ جو اس پر زیادتی کرنے والے ہر ظالم کو مار بھگاتا ہے۔ [1]

ایک صحیفہ کہ جس کا ہم عنقریب ذکر کریں گے، آپ اپنی ایک نظم میں اس کے بارے میں فرماتے ہیں:

میں جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ قبیلہ "لوی" اور خصوصاً اس قبیلے کی شاخ ــــ بنی کعب تک پہنچا دو!

کیا تم نہیں جانتے کہ ہم محمدؐ کو موسیٰؑ کی مانند ایک ایسا رسول سمجھتے ہیں جس کا تعارف پیشتر نازل ہونے والی آسمانی کتابوں نے کرایا ہے اور اس کے لیے لوگوں کے دلوں میں محبت ہے۔

یہ جائز نہیں کہ جس شخص کو خدا نے دوستی کے لیے چن لیا ہو اس پر ظلم کیا جائے۔

خبردار! خبردار! اس سے پیشتر کہ درندوں کا گڑھا یعنی قبر کھودی جائے اور گنہگار کی طرح بے گناہ کا بھی حساب کتاب ہو۔

---

[1] ابن ابی الحدید جلد ۳ صفحہ ۳۱۳

ایسا نہ ہو کہ رشتہ داری اور نزدیکی کے بعد تم ہمارے ساتھ باندھے ہوئے پیمان کو بھلا دو اور باغیوں اور ظالموں کے فرمانبردار بن جاؤ۔

پس میں خدا کے گھر کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ہم احمدؐ (محمد رسول اللہؐ) کو دشمن کے حوالے نہیں کریں گے۔ اگرچہ ہمیں سختی اور زمانے کی تکلیفوں اور مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑے۔

کیا ہاشم ہمارا باپ نہ تھا کہ جس نے سامانِ جنگ فراہم کیے رکھا اور اپنے فرزندوں کو تیغ زنی کی وصیت کی تھی؟

یہی وجہ ہے کہ ہم ہرگز جنگ کی تھکن اور تکلیف کو محسوس نہیں کرتے اس لیے میدان نہیں چھوڑتے۔

ہم پریشانی اور مصیبت کی حالت میں ثابت قدم رہتے ہیں اور واویلا نہیں کرتے، بلکہ جس وقت بڑے بڑے دلاور لوگ بھی خوف کے مارے جی ہار بیٹھتے ہیں، ہم اس وقت اپنے شعور اور غیرت کے ساتھ جنگ میں جمے رہتے ہیں۔[1]

ان کے اشعار میں سے چند ایک یہ ہیں:

افسوس کہ رات کے آخری حصے میں غم نے مجھے بے اختیار کر دیا اور

---

[1] سیرت ابن ہشام جلد ۱ صفحہ ۳۷۳، شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید جلد ۳ صفحہ ۳۱۳، بلوغ الارب جلد ۱ صفحہ ۳۲۵، خزانۃ الادب بغدادی جلد ۱ صفحہ ۲۶۱، روض الانف جلد ۱ صفحہ ۲۲۰، تاریخ ابن کثیر جلد ۳ صفحہ ۸۷، اسنی المطالب صفحہ ۶-۱۳، طلبۃ الطالب صفحہ ۱۰۔

وہ مجھے دبائے جا رہا ہے، حالانکہ (امید کا) ستارہ ابھی نہیں ڈوبا۔

اس غم نے مجھے اس وقت آ دبایا جب کہ بہت سی آنکھیں سو گئی تھیں اور جو لوگ نہیں سوئے وہ قصے کہانیاں سننے سنانے میں لگے ہوئے ہیں۔

یہ قصے ان لوگوں کے پریشان خوابوں کے بارے میں تھے جو محمدؐ پر قابو پانا چاہتے تھے، تاکہ ان پر ظلم کریں۔ لیکن جو کوئی زیادتی سے پرہیز نہ کرے وہ خود ظلم میں گرفتار ہو جاتا ہے۔

انہوں نے احمقانہ کوشش کی اور ان کی بداعمالی ایک بے بنیاد اور خیالی مقصد میں ان کی رہنما بن گئی۔

وہ ہم سے ایک بڑے کام —— یعنی محمدؐ کو ان کے حوالے کرنے کی توقع رکھتے ہیں، حالانکہ یہ کام تلوار، نیزے اور جنگ کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

وہ توقع رکھتے ہیں کہ ہم اپنے نیزے خون میں رنگے بغیر یعنی عاجزی سے محمدؐ کے قتل کیے جانے پر رضامند ہو جائیں گے۔

پس اے بنی فہر، خبردار رہنا کیونکہ ابھی تک ان قتل ہونیوالوں کی فریاد بلند نہیں ہوئی جو رنج، غم اور پشیمانی کے ساتھ واویلا کرتے ہیں۔

غور کرو کہ یہ عذر اور یہ سلسلہ جنبانی تمہارے ہی فائدے کے لیے ہے کیونکہ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ یہ سلسلہ جنبانی ہم تم میں ہونے والی جنگ کا سدِباب کر دے۔[1]

---

[1] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید جلد ۳ صفحہ ۳۱۲

ایک اور نظم میں رسول اکرمؐ کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

خدا کی قسم! اپنی کثیر تعداد اور قوت کے باوجود وہ آپ پر ہرگز قابو نہ پا سکیں گے، وہ صرف اس وقت آپ پر قابو پا سکتے ہیں کہ میں جان قربان کر کے دفن ہو جاؤں۔

پس اپنی دعوت کو ظاہر کیجیے کیونکہ اس میں کوئی ایسی بات نہیں جو عیب یا شرم کا باعث ہو۔ ہاں آپ اپنی دعوت کے ساتھ لوگوں کو خوشخبری دیجیے اور ان کی آنکھوں کو روشن کیجیے۔

آپ نے مجھے دعوت دی اور میں سمجھ گیا کہ آپ میرے ناصح ہیں، ہاں تو آپ نے مجھے حق کی طرف بلایا اور اس دعوت میں آپ امین تھے۔

میں سمجھ گیا ہوں کہ محمدؐ کا دین ان بہترین ادیان میں سے ہے جو لوگوں نے قبول کیے ہیں۔[1]

یاد رہے کہ قرطبی اور ابن کثیر نے مندرجہ بالا اشعار پر اس شعر کا اضافہ کیا ہے: اگر بدگوئی اور ملامت کا ڈر نہ ہوتا تو تم مجھے محمدؐ کے مذہب کے

---

[1] تاریخ ابن کثیر جلد ۳ صفحہ ۴۲، خزانۃ الادب بغدادی جلد ا صفحہ ۲۶۱ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید جلد ۳ صفحہ ۳۰۶، تاریخ ابی الفداء جلد ا صفحہ ۱۲۰، فتح الباری جلد ۷ صفحہ ۱۵۳ - ۱۵۵، الاصابہ جلد ۴ صفحہ ۱۱۶، مواہب لدنیہ جلد ا صفحہ ۶۱، سیرت حلبیہ جلد ا صفحہ ۳۰۵، دیوان ابوطالبؑ صفحہ ۱۲ طلبۃ الطالب صفحہ ۵، بلوغ الارب جلد ا صفحہ ۳۲۵، سیرت النبویہ زینی دحلان جلد ا صفحہ ۹۱ - ۲۱۱، اسنی المطالب صفحہ ۶

بارے میں علانیہ درگزر کرنیوالا مہربان پاتے۔

اس بارے میں احمد زینی دحلان اپنی کتاب اسنی المطالب کے چودھویں صفحے پر کہتا ہے:

کہا جاتا ہے کہ یہ شعر وضعی ہے، اسے حضرت ابوطالبؑ سے منسوب کیا گیا ہے اور یہ ان کا کلام نہیں ہے۔

زیر نظر کتاب کے مؤلف علامہ امینی کہتے ہیں:

فرض کیجیے کہ آخری شعر حضرت ابوطالبؑ کے اصلی اشعار میں سے ہے، اس صورت میں حضرت ابوطالبؑ کو طعنہ، شرم اور بدگوئی کا زیادہ تر خوف اس لیے ہے کہ کہیں قریش کے نزدیک ان کی قدر و منزلت کم نہ ہو جائے اور اس بنا پر وہ رسول اکرمؐ کا دفاع کرنے پر قادر نہ ہو سکیں۔ یہ عوامل (یعنی طعنہ، شرم اور بدگوئی کا خوف) انہیں محمدؐ کے دین کی قبولیت کا اظہار کرنے اور جو کچھ آنحضرتؐ لائے تھے اس پر ایمان لانے کا اعلان کرنے سے باز رکھتے تھے۔ اس سلسلے میں انہوں نے واضح طور پر کہا ہے کہ "تم مجھے محمدؐ کے مذہب کے بارے میں علانیہ درگزر کرنے والا مہربان پاتے" یا دوسرے الفاظ میں "مددگار پاتے"۔ پس یہ شعر ان کی باطنی دینداری کے بارے میں ہے اور اگر اس شعر سے ان کا مقصد دین کو قبول نہ کرنا ہو تو اس شعر اور گزشتہ اشعار میں واضح تناقض پیدا ہوتا ہے، کیونکہ ان اشعار میں انہوں نے بالصراحت محمدؐ کے دین کو بہترین دین گردانا ہے اور آنحضرتؐ کو اپنی دعوت میں سچا اور اپنی امت پر امین سمجھا ہے۔

ان کے دیگر اشعار میں سے کچھ یہ ہیں جو انہوں نے عثمان بن مظعون کو

قریش کے ہاتھوں ایذا دیے جانے پر غصے کے عالم میں کہے ہیں:

کیا تو زمانے کو یاد کرنے سے امان میں نہیں ہے کہ تو اس قدر غمزدہ ہے اور آزردہ لوگوں کی طرح رو رہا ہے؟

یا یہ ان لوگوں کی نادانی کے یاد آنے کی وجہ سے ہے جو اس شخص پر ظلم وستم روا رکھتے ہیں، جو انہیں دین کی طرف بلاتا ہے؟

کیا تم نہیں دیکھتے کہ خدا نے تمہارے گروہ کو ذلیل کیا ہے؟ اور کیا تم نہیں دیکھتے کہ ہمیں عثمان بن مظعون کی خاطر غصہ آیا ہے؟

ہم وہ ہیں کہ ہر اس شمشیر بکف شخص کا مقابلہ کرتے ہیں جو ہمیں مغلوب اور مجبور دیکھنا چاہتا ہو۔

ہماری کاٹ کرنے والی تلواروں کی دھاریں نمک آلود ہیں اور ان کے گھاؤ سے دیوانوں کے سروں میں سے دیوانگی نکال دی جاتی ہے۔ تاکہ جنگ کی سختی سے جنگ بندی کی نرمی کی طرف آنے کے بعد جوانمرد اقرار کریں کہ یہ تلواریں کند نہیں ہیں اور ــــ یا

اس حیرت انگیز کتاب یعنی **قرآن** پر ایمان لائیں جو موسیٰؑ یا یونسؑ کی طرح ہمارے پیغمبر (محمدؐ) پر نازل ہوئی ہے۔ [1]

نیز رسول اکرمؐ کی مدح میں ان کے دوسرے اشعار میں سے چند ایک یہ ہیں:

بلاشبہ پروردگار نے پیغمبر (حضرت محمدؐ) کو عزیز رکھا ہے، پس

---

[1] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید جلد ۳ صفحہ ۳۱۳

خدا کی مخلوق میں احمدؐ ہی سب سے معزز ہیں۔

اس نے ان کے نام کو خود اپنے نام سے مشتق کیا ہے تاکہ انھیں بزرگی بخشے، پس عرش کا مالک خدا **محمود** ہے ــــ اور اس کا پیغمبر **محمدؐ** ہے۔ [1]

ان کے کچھ اور مشہور اشعار یہ ہیں:

اے محمدؐ! آپ پیغمبر ہیں۔

آپ سیّد، سردار اور نیکوکار ہیں۔

آپ بزرگوں کے دین کو قائم کرنے والے ہیں۔

ان بزرگوں کے دین کو جو پاک اور پاک زاد ہیں۔

پس میں نے کسی دکھاوے کے بغیر آپ کے ساتھ سچے دل سے پیمان باندھا ہے۔

آپ نے اپنے لڑکپن کے وقت ہی سے سچ اور سچائی کے سوا کبھی کچھ نہیں کہا ہے۔ [2]

---

[1] یہ اشعار علی بن زید کے طریقے سے درج ذیل کتب میں آئے ہیں: بخاری، تاریخ صغیر + ابونعیم، دلائل النبوۃ جلد ۶ + تاریخ ابن عساکر، جلد ۱ صفحہ ۳۷۵ + ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ جلد ۳ صفحہ ۳۱۵ + تاریخ ابن کثیر جلد ۱ صفحہ ۳۶۶ + ابن حجر، الاصابہ جلد ۴ صفحہ ۱۱۵ + قسطلانی، مواہب لدنیہ جلد ۱ صفحہ ۵۱۸ + تاریخ الخمیس دیار بکری جلد ۱ صفحہ ۲۵۲۔

[2] ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ جلد ۳ صفحہ ۳۱۵

ایک دفعہ عمرو بن ہشام (ابوجہل) رسول اکرمؐ کی جانب آیا جبکہ آنحضرتؐ سجدے میں تھے، ابوجہل کے ہاتھ میں ایک پتھر تھا جو وہ آنحضرتؐ کو مارنا چاہتا تھا جب اس نے اپنا ہاتھ بلند کیا تو وہ پتھر اس کی ہتھیلی سے چپک کر رہ گیا اور وہ اپنے ارادے کو عملی جامہ نہ پہنا سکا۔ اس واقعہ کے بارے میں حضرت ابوطالبؑ نے مندرجہ ذیل اشعار کہے:

اے بنی غالب، خبردار!

اور صاحبِ منطق شخص (حضرت محمدؐ) پر ظلم ڈھانے سے باز آجاؤ۔

ورنہ مجھے تمہارے بارے میں ان عذابوں کا خوف ہے جو تمہارے گھروں پر نازل ہوں گے۔

اور مشرق اور مغرب کے پروردگار کی قسم، اس صورت میں تم دوسروں کے لیے عبرت بن جاؤ گے۔

جیسے کہ تم سے پہلے کے لوگوں مثلاً عاد اور ثمود پر یہ عذاب نازل ہوا اور اس نے کوئی چیز باقی نہ چھوڑی۔

علی الصبح ہلاک کرنے والا جھکڑ اور آندھی ان کی طرف آئی،

جب قوم ثمود کے لیے ـــــ خدا کی نشانی ـــــ اونٹنی پانی پیتی تھی،

اور اے شخص (ابوجہل)، تیرے ساتھ تو اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز بات ہوئی ہے۔

حیران کن بات یہ ہے کہ پتھر تیری ہتھیلی سے چپک گیا ہے۔

جس نے ایک صلح جو، راستگو اور متقی انسان کی طرف نشانہ باندھا تھا اور پروردگار نے اس نادان ظالم کی خواہش کے برعکس پتھر اس

کی ہتھیلی سے چپکا دیا۔

تمہارے قبیلے ـــــ مخزوم کا نادان نوجوان ـــــ ابوجہل ـــــ جس نے فریب کاروں کا فریب کھایا اور پیغمبرؐ کی تصدیق نہ کی۔[1]

یہ ایک مشہور بات ہے کہ عبداللہ مامونؒ کہا کرتے تھے:

خدا کی قسم! ابوطالبؑ نے اسلام قبول کر لیا تھا اور اس کا ثبوت ان کے یہ اشعار ہیں:

میں نے رسولؐ کی ـــــ ہاں خدا کے رسولؐ کی مدد کی

اس تلوار کے ذریعے مدد کی جو بجلی کی طرح چمکتی ہے

میں خدا کے رسولؐ کی حمایت اور ان کا دفاع کرتا ہوں

ایک ایسے حامی کی طرح حمایت کرتا ہوں جس کا دل ان کے لیے غم کھاتا ہے

ہر چند کہ میں رسولؐ کے دشمنوں سے ملائمت کرتا ہوں

ایسی ملائمت جو ایک اونٹنی نر اونٹ کو اپنے پیچھے لانے کے لیے کرتی ہے

لیکن خاص بلندی اور بزرگی کی وجہ سے میں ان پر دھاڑتا ہوں ـــــ

اس طرح دھاڑتا ہوں جیسے شیر گھنے جنگلوں میں دھاڑتا ہے۔[2] ایک بار جب عمرو بن عاص حبشہ گیا تھا تاکہ مہاجرین اور ان کے سربراہ

---

[1] ابن ابی الحدید، شرح نہج البلاغہ جلد ۳ صفحہ ۳۱۵ + دیوان ابوطالبؑ صفحہ ۱۳۔

[2] ابن ابی الحدید، شرح نہج البلاغہ جلد ۳ صفحہ ۳۱۴ + دیوان ابوطالبؑ صفحہ ۲۴، جہاں ایک اضافی شعر بھی ہے۔

جعفر بن ابوطالب کے حق میں شاہ حبشہ نجاشی کے ہاں بدگوئی اور دھوکہ بازی کرے اور ان کو وہاں سے نکلوا دے۔ اس وقت ہمارے سردار حضرت ابوطالبؑ نے نجاشی کو اپنے کچھ اشعار لکھ بھیجے۔ ان اشعار میں انہوں نے نجاشی کو جعفر کی عزت کرنے اور عمرو بن عاص سے منہ پھیر لینے کی ترغیب دی ہے۔ ان میں سے چند ایک یہ ہیں:

اے کاش کہ مجھے معلوم ہوتا حبشہ کے لوگوں میں جعفر کا کیا مقام ہے؟
یہ بھی معلوم ہوتا کہ پیغمبرؐ کے دشمن قریشیوں اور عمرو بن عاص کا کیا حال ہے؟

مجھے معلوم ہو جاتا کہ آیا نجاشی کا احسان ـــــ جعفر اور اس کے ساتھیوں تک پہنچا ہے یا عمرو بن عاص کی فتنہ انگیزی نے اس میں رکاوٹ ڈال دی ہے؟

اے نجاشی! تجھ پر ہماری دعا اور سلام ہو اور یہ جان لو کہ ہمارے نزدیک تو بزرگوار ہے۔

تیرا یہ ہمسایہ اور تیرے پڑوس میں رہنے والا کم رتبہ نہیں ہے
ہم جانتے ہیں کہ خدا نے تیری طاقت بڑھائی ہے
بھلائی کے تمام ذریعے اور وسیلے تجھے حاصل ہیں [1]

حضرت ابوطالبؑ کے دوسرے مشہور اشعار میں سے کچھ وہ ہیں جن میں انہوں نے محمد رسول اللہؐ سے خطاب کرتے ہوئے ان کی پریشانی پر انہیں

---

[1] ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ جلد ۳ صفحہ ۳۱۴ + تاریخ ابن کثیر جلد ۳ صفحہ ۷۷۔

تسلی دی اور کہا کہ وہ لوگوں کو علانیہ طور پر اسلام کی دعوت دیں۔

اے اللہ کے رسول ـــــ محمدؐ!
حملہ کرنے والے کے ہاتھ اور دکھ پہنچانے والے کا غوغا آپ کو اس سچائی کے اعلان سے باز نہ رکھے جس کے لیے آپ کھڑے ہوئے ہیں۔
اگر آپ دشمنوں کے گھیرے میں ہوں تو میرا ہاتھ آپ کا ہاتھ ہے
یہ میں ہی ہوں جو مشکلوں میں آپ کے آگے آگے رہوں گا [1]

ابن ہشام کہتا ہے: جب ابوطالبؑ کو یہ خوف ہوا کہ کہیں سب عرب مل کر انہیں اپنی بات ماننے پر مجبور نہ کر دیں۔ تب انہوں نے ایک قصیدہ کہا جس میں وہ حرم کعبہ کی پناہ لیتے اور اس کی نسبت سے خود اپنی حیثیت کو بھی پناہ بناتے ہیں۔ پھر اپنی قوم کے بزرگوں کو دوستی کی پیشکش کرتے ہیں اور اسی قصیدے میں انہیں خبردار کرتے ہیں کہ وہ رسول اکرمؐ کو ان کے حوالے نہیں کریں گے اور انہیں کسی حالت میں بھی تنہا نہیں چھوڑیں گے مگر یہ کہ ان کے پہلو میں اپنی جان جان آفرین کے سپرد کر دیں' وہ قصیدہ یوں ہے:

میرے دوست' سچ یا جھوٹ کی جانب میلان میں میرا کان ہی پہلا سرزنش کرنے والا نہیں ہے۔
جس وقت میں نے دیکھا کہ قوم کے دلوں میں ہماری محبت نہیں ہے اور ان لوگوں نے ہم سے اپنے رشتے ناطے توڑ ڈالے ہیں
انہوں نے ہمیں تو اپنی دشمنی کی تکلیف میں ڈال دیا ہے اور وہ ہم

---

[1] ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ جلد ۳ صفحہ ۳۱۵

سے الگ ہو جانے والے اور ہمارے دشمن کے ساتھی بن گئے ہیں۔

انہوں نے ہمارے خلاف بدنام اور مشتبہ لوگوں کے ساتھ گٹھ جوڑ کر لیا ہے اور ہماری پیٹھ پیچھے ہم پر غصے کے مارے اپنی انگلیاں دانتوں سے کاٹتے ہیں۔

اس وقت میں نے لچکدار نیزہ اور چمکتی ہوئی تیز تلوار رکھتے ہوئے بھی بزرگوں کی نشانیوں یعنی قریش پر حملے سے اپنے آپ کو روکا۔

میں خدا کی پناہ مانگتا ہوں ہر اس شخص سے جو بدی کے ساتھ ہمیں طعنے دیتا ہے اور ہمارے ساتھ ناحق جھگڑا کرتا ہے۔

ہر اس کینہ جُو شخص سے بھی جو ہماری عیب جوئی کرتا رہتا ہے اور ہر اس شخص سے جو دین میں وہ چیز بڑھاتا ہے جو ہمارا مقصود نہیں ہے۔

مجھے قسم ہے کوہِ ثور[1] کی اور اس ذات کی جس نے ثبیر[2] کو اس پہاڑ کی قیام گاہ قرار دیا اور قسم ہے اوپر جانے والے اور کوہِ حرا[3] سے اترنے والے پیغمبر محمدؐ کی۔

قسم ہے کعبہ کی یعنی اس پاک گھر کی جو مکہ کے دامن میں واقع ہے اور قسم ہے خدا کی کہ وہ (خدا) غافل نہیں ہے۔

اور قسم ہے حجرِ اسود کی، اس وقت جب لوگ اسے چومتے ہیں اور ہر صبح و شام اسے گھیرے میں لیے رہتے ہیں۔

قسم ہے خدا کے گھر کی ـــــ تم نے جھوٹ کہا ہے کہ ہم دل میں

1، 2، 3 مکہ کے قریب واقع پہاڑوں کے نام۔

کینہ رکھتے ہیں اور مکہ چھوڑ کر جا رہے ہیں، حالانکہ تمہارے ہی عمل کا انجام رنج و غم ہوگا۔

خدا کے گھر کی قسم تم نے جھوٹ کہا ہے کہ ہم محمدؐ کے ساتھ سخت گیری کرنے والے ہیں یا یہ کہ ہم اس کی حمایت نہ کریں گے اور اس کے ساتھ ہو کر تم سے جنگ نہ کریں گے۔

بلکہ ہم جب تک اس کے اردگرد کٹ کر زمین پر نہ گر جائیں اسے تمہارے سپرد نہیں کریں گے اور اس دوران میں ہم اپنے بچوں اور عورتوں تک کو فراموش کر دیں گے۔

خدا کی قسم! اگر معاملہ جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں اس سے زیادہ سخت ہو جائے تو ہم بھی مکہ کے سرداروں پر اپنی تلواریں کھینچ لیں گے۔

ہم ان چمکتے چہروں والے دلاور جوانوں کے دونوں ہاتھوں میں تلواریں پکڑا دیں گے جو سچے اور کھرے بھائی، حق کے حامی اور شجاع ہیں

ہمارے دن، مہینے، پورا ایک سال اور پھر ایک کے بعد ایک سال اسی انداز میں گزریں گے۔

پھر پیغمبرؐ کی فتح و کامرانی سے وہ حجت قائم ہوگی جسے سب تسلیم کریں گے۔

یہ مناسب نہیں کہ ایک قوم اس بزرگوار کو برا کہے جو کبھی برائی کی طرف نہیں گیا۔

اس نے اپنی شرافت کو بچائے رکھا ہے اور وہ دوسروں پر بوجھ نہیں بنتا۔

ایسے روشن چہرے والا بزرگ کہ جس کے سامنے آتے ہی ابر پانی سے بھر جاتے ہیں وہ یتیموں کی فریاد کو پہنچنے والا اور بیوہ عورتوں کی پناہ گاہ ہے

بنی ہاشم میں سے جن کو ہلاکت کا خطرہ ہو وہ اس کے پاس پناہ لیتے ہیں۔

وہ اس کے پاس رہ کر خدا کی رحمت اور نعمت پاتے ہیں۔

کیا تم نہیں جانتے کہ ہمارے درمیان ہمارے فرزند محمدؐ کی تکذیب نہیں ہوئی۔

اور ہم اس کے بارے میں شیطانوں کی باتوں کی طرف توجہ نہیں دیتے۔

وہ ایک بزرگ انسان ہے، جس کا شمار سب سے بلند مرتبے والے سرداروں میں ہوتا ہے۔

وہ اس خاندان (بنی ہاشم) سے ہے جو بڑائیوں کے میدان میں برتری کا مالک ہے۔

مجھے اپنی جان کی قسم! کہ **احمدؐ** سے محبت کی خاطر میں نے اپنے آپ کو سخت تکلیف میں ڈال دیا۔

میں نے اس سے ہمیشہ دوستداروں اور محبوں کی طرح محبت رکھی ہے۔

وہ دنیا میں ہمیشہ اپنے دوستوں اور قرابتداروں کے ساتھ نیک سیرت رہا ہے۔

وہ ہمیشہ ہی اپنے محبت کرنے والوں کی سربلندی کا موجب بنا ہے۔

اور وہ (احمدؐ) ہمارے درمیان اس قدر شرافت اور اعتبار کا مالک ہے۔

ہر تجاوز کرنے والے کی شرافت اور رتبہ اس سے کمتر ہے

اس کی حمایت کے بوجھ سے میری کمر خم ہوگئی ہے لیکن اس کے باوجود میں نے اس کی حمایت کی ہے۔

میں نے اونٹوں کے کوہانوں پر سے اور سینوں کی بلندی پر سے اس کا دفاع کیا ہے۔

پھر یہ ہوا کہ خدا نے اپنی رحمت سے اس کی تائید فرمائی اور اس سچائی کو ظاہر کیا جس میں کوئی جھوٹ نہ تھا۔

علامہ امینی کہتے ہیں: اگر کوئی شخص ان اشعار کے گوناگوں اسالیب سے ایمان ابوطالبؑ کو نہیں سمجھ سکتا تو پھر اس کے لیے رسول اکرمؐ کی نبوت کا اعتراف اور شہادت اور کہاں سے حاصل کرنا ممکن ہے؟ کیونکہ یہ ایسے اسالیب اور اشارے ہیں کہ اگر ان میں سے ایک بھی کسی شخص کی نظم یا نثر میں موجود ہو تو سب لوگ اس کے اسلام لانے میں متفق القول ہو جائیں گے۔ لیکن کیا وجہ ہے کہ بعض لوگوں کے نزدیک یہ تمام (اسالیب اور اشارے) ابوطالبؑ کے اسلام پر دلالت نہیں کرتے! **فاعجب واعتبر!**

جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ حضرت ابوطالبؑ کے اشعار کا ایک حصہ ہے، جو ہر لحاظ سے صحیح اسلام، خالص ایمان کی کیفیات سے پر اور لبریز ہے۔

عالم شہیر ــــ ابن شہر آشوب مازندرانی نے اپنی کتاب

"متشابہات القرآن" میں آیت مبارکہ "وَلَيَنصُرَنَّ اللَّهُ مَن يَنصُرُهُ"[1] کے ذیل میں لکھا ہے:

ابوطالبؑ کے جو اشعار ان کے ایمان پر دلالت کرتے ہیں، وہ تین ہزار سے کچھ اوپر ہیں۔ ان سے ایک ایسے شخص کی خاص کیفیتیں ظاہر ہوتی ہیں، جس نے رسول اکرمؐ کی حقیقت کو جانا پہچانا اور ان کے نبی برحق ہونے کی تصدیق کی ہے۔ اس کے بعد وہ حضرت ابوطالبؑ کے بہت سے اقوال نقل کرتے ہیں، جن میں ان کے وہ کلمات بھی شامل ہیں جو انہوں نے بطور وصیت کے اور وہ یہ ہیں:

میں کریم پیغمبرؐ کی مدد کے لیے چار اشخاص کو وصیت کرتا ہوں
اپنے بیٹے علیؑ اور (اپنے بھائی) قبیلہ کے بزرگ عباسؓ کو
پیغمبرؐ کی حقیقی حمایت کرنے والے شیر — حمزہؓ اور جعفرؓ کو
تاکہ وہ اس کے ساتھ رہیں اور دشمنوں کو اس سے دور کریں
میری ماں اور اس کے تمام فرزند تم (چاروں) پر فدا ہوں
احمدؐ کی مدد کے لیے دوسروں کے ساتھ مل کر اسکی ڈھالیں
بن کر رہنا۔[2]

---

[1] اور جو شخص خدا کی مدد کرے گا، خدا بھی اس کی مدد ضرور کریگا۔
(سورہ حج۔ آیت ۴۰)

[2] ابن شہر آشوب کی کتاب 'متشابہات القرآن' میں حضرت ابوطالبؑ کی وصیت پر مشتمل ان اشعار میں تحریف کی گئی ہے۔

دوسرا باب

رَسُولِ اکرم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّم کی خاطر حضرت ابوطالبؑ کی کوشش و زحمت

مکہ کے سردار ابوطالبؑ پر خدا کا سلام ہو کہ انہوں نے رسول اکرمؐ کی مدد، حفاظت، دفاع اور لوگوں کو دین اسلام کی طرف دعوت دینے کے کام میں آنحضرتؐ کی بعثت سے اپنی زندگی کے آخری دم تک جو اعلیٰ کردار ادا کیا اور جو قابل قدر خدمتیں انجام دیں، ان سے ابوطالبؑ کے صحیح اسلام، خالص ایمان اور آنحضرتؐ کی الٰہی رسالت کے سامنے ان کی فروتنی اور تواضع کا اظہار ہوتا ہے۔ ان کے اس ایمان باللہ اور اطاعت رسولؐ کی کامل صحت انشاءاللہ قیامت کے دن واضح ہو کر رہے گی۔ بہرحال ہم یہاں اقامت دین کے لیے ان کی کاوشوں اور کوششوں کے کچھ نمونے پیش کرتے ہیں۔

شام کا سفر

ابن اسحاق کہتا ہے: ابوطالبؑ ایک تجارتی قافلے کے ساتھ شام جانے لگے۔ قافلے والوں نے ضروری سامان لے کر کوچ کا ارادہ کیا۔ تب محمدؐ تیزی سے ابوطالبؑ کے پاس پہنچے، ان کے اونٹ کی مہار پکڑی اور کہا:

"چچا جان! آپ مجھے کس کے سپرد کر کے جا رہے ہیں؟ جبکہ نہ میرا باپ ہے کہ اس کا سہارا لوں اور نہ ماں ہے — جس سے محبت کروں!

یہ بات سن کر ابوطالبؑ پر رقت طاری ہو گئی اور انہوں نے کہا:

خدا کی قسم! میں اسے بھی اپنے ساتھ لے جاؤں گا، کیونکہ یہ مجھ سے اور میں اس سے جدا نہیں ہو سکتا۔ یوں محمد عربیؐ — ابوطالبؑ کے ساتھ سفر پر روانہ ہو گئے۔

رفتہ رفتہ وہ قافلہ شہر بصریٰ جا پہنچا جو حکومتِ شام کے ماتحت تھا۔ جہاں سرِ راہ ایک خانقاہ پڑتی تھی جس میں بحیرا نامی ایک راہب رہتا تھا۔ وہ اس علاقے میں عیسائیوں کا سب سے بڑا عالم تھا اور وہ خانقاہ ہمیشہ سے راہبوں کا مسکن چلی آتی تھی، جو بہ خیال خویش، اپنے پیشروؤں سے ورثے میں ملی ہوئی ایک کتاب کے علوم لوگوں کو منتقل کرتے تھے۔

اگرچہ اس سے پہلے بھی بہت سے قافلے بحیرا کے پاس سے گزرتے تھے، لیکن اس نے نہ تو کبھی ان پر توجہ دی اور نہ ان سے کوئی بات کی۔ حتیٰ کہ وہ سال آ گیا جس میں مکہ والوں کا قافلہ وہاں پہنچا۔ قافلے والوں نے بحیرا کی خانقاہ کے پاس پڑاؤ ڈالا تو اس نے خلافِ معمول ان کے لیے کثیر مقدار میں کھانا تیار کرایا۔ کیونکہ اس نے خانقاہ کے اندر سے آسمان پر ایک ابر دیکھا تھا جو قافلے کے ایک فرد پر سایہ کیے ہوئے تھا۔ پھر جب آپ ایک درخت کے نیچے بیٹھے تو اس ابر نے درخت پر اپنا سایہ ڈال دیا اور درخت کی شاخیں جھک پڑیں کیونکہ پیغمبر کے قدموں کے سامنے سر اونچا نہیں کیا جا سکتا۔

بحیرا نے یہ سب کچھ دیکھا تو خانقاہ سے باہر نکل آیا اور پھر اپنے لوگوں کو کھانا تیار کرنے کا حکم دیا۔ جب کھانا تیار ہو گیا تو اس نے قافلے والوں کو کہلا بھیجا:

اے گروہ قریش! میں نے تمہارے لیے کھانا تیار کرایا ہے اور چاہتا ہوں کہ تم سب — خرد و بزرگ اور غلام و آزاد — میرے دسترخوان پر جمع ہو جاؤ۔

قافلے والوں میں سے ایک شخص نے جا کر کہا: اے بحیرا! آج کوئی خاص بات ہے، کیونکہ اس سے پہلے تم نے ایسا کبھی نہیں کیا حالانکہ ہم اکثر تمہارے پاس سے گزرے ہیں، پھر آج یہ تمہیں کیا ہوا ہے؟"

بحیرا نے کہا: ہاں کچھ ایسی ہی بات ہے اور تم وہ مہمان ہو جن کی میں خاطر مدارات کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے تمہارے لیے کھانا

تیار کرایا ہے تاکہ تم سب کے سب آکر کھاؤ۔

چنانچہ وہ قافلے والے بحیرا کے پاس جمع ہو گئے اور رسول اکرمؐ کو ان کی کم سنی کی وجہ سے درخت کے نیچے رکھے ہوئے سامان کے پاس چھوڑ آئے۔

بُحیرا نے ان سب پر نگاہ ڈالی اور ان میں سے کسی میں وہ خاص بات نہ پائی جو اس نے خود دیکھی تھی۔

اس نے کہا: اے قریش! کہیں ایسا نہ ہو کہ تم میں سے کوئی شخص ضیافت میں شریک ہونے سے رہ جائے۔

انہوں نے کہا: جنہیں آنا چاہیے تھا' ان میں سے کوئی پیچھے نہیں رہا سوائے ایک لڑکے کے جو ہم سب سے کمسن ہے اور وہ سامان کے پاس بیٹھا ہے۔

بُحیرا نے کہا: نہیں ــــ ایسا نہ کرو اور اسے بھی بلا لو تاکہ وہ بھی آکر اس دسترخوان پر بیٹھے۔

قریش میں سے ایک نے کہا: لات و عزیٰ کی قسم! آج کوئی خاص بات ہے! اب کیا یہ مناسب ہے کہ ہم عبداللہ کے بیٹے (محمدؐ) کو اس کھانے سے محروم رکھیں؟ پھر وہ اٹھا ــــ رسول اکرمؐ کے پاس گیا اور انھیں گود میں اٹھا لایا اور آپ کو دوسرے لوگوں کے ساتھ بٹھا دیا۔ جب بُحیرا کی نظر آنحضرتؐ پر پڑی تو وہ حیرت میں آ گیا اور ان میں وہ خصوصیات تلاش کرنے لگا جنہیں وہ عرصے سے جانتا تھا۔ اس دوران میں قافلے والے کھانا کھا کر اپنے پڑاؤ کو چل دیے۔

تب بُحیرا اٹھا اور اس نے رسول اکرمؐ سے کہا: اے لڑکے! میں تمہیں لات و عزیٰ کی قسم دیتا ہوں کہ میں جو کچھ پوچھوں تم اس کا جواب دو گے۔

رسول اکرمؐ نے فرمایا: لات و عزیٰ کی قسم دے کر مجھ سے کوئی بات ہرگز نہ پوچھو۔

بُحیرا نے کہا: اچھا تو میں تمہیں خدا کی قسم دیتا ہوں۔

آنحضرتؐ نے فرمایا: "پوچھو کیا پوچھتے ہو"۔

بُحیرا نے آپ سے سونے' سونے کی حالت اور اس میں پیش آنے والی باتوں کے بارے میں پوچھنا شروع کیا۔ تب آنحضرتؐ نے اس کی ہر بات کا جواب دیا۔ آپ کے تمام جوابات ان نشانیوں کے مطابق تھے جو بُحیرا کے ذہن میں محفوظ تھیں۔ پھر اس نے آپ کی پشت پر نگاہ ڈالی اور دونوں کندھوں کے درمیان (جیسا کہ اس کا خیال تھا) مُہرِ نبوّت دیکھی۔

اس واقعہ کی بابت حضرت ابو طالبؑ نے یہ اشعار کہے:

سچ تو یہ ہے کہ آمنہ کا بیٹا محمدؐ
میرے نزدیک میرے بیٹوں سے بلند رتبہ رکھتا ہے
اور جب سُرخ بالوں والے اونٹ قافلے میں اپنے لدوروں کے ساتھ چل رہے تھے۔
اس نے میرے اونٹ کی مہار پکڑ لی اور میرا دل بھر آیا
وہ جو دوسروں کا مخلص مددگار اور کام کرنے میں دلیر تھا

میں نے اس کو لوگوں کے درمیان گھومنے پھرنے کے لیے بلایا
قافلے والے اپنی دور کی منزل کے لیے چل رہے تھے
تب ان کا اپنا وطن بہت پیچھے رہ گیا
حتیٰ کہ وہ سب کے سب بُصریٰ پہنچ گئے
وہاں انہوں نے بُحیرا راہب سے ملاقات کی جو اُن کے انتظار میں تھا۔

اس نے انھیں اس (محمدؐ) کے بارے میں سچی خبر دی
اور حاسدوں کے ٹولے کو اس کے پاس آنے سے روک دیا
جب یہودیوں کے ایک گروہ نے محمدؐ کے سر پر ابر کا سایہ اور قدرت الٰہی کا ظہور دیکھا انہوں نے محمدؐ کو قتل کرنے کے لیے ہلہ بول دیا لیکن بُحیرا نے ان کو روکنے میں اپنی زیادہ سے زیادہ کوشش کی۔
اس واقعہ کے بارے میں انہوں نے یہ اشعار بھی کہے:
جب میں نے اپنے دل میں (شام کے سفر کا) ارادہ کر لیا تو کیا اس کے بعد تو نے میری حالت نہیں دیکھی؟
اس سفر کا لازمہ جدائی تھا، وہ سخت جدائی جو ماں باپ پر بھاری ہے۔
وہ احمدؐ سے جدائی تھی، جب میں شام کے سفر کے لیے تیار ہوا۔
تو میں نے اس کی سلامتی کی آرزو کے ساتھ اسے الوداع کہا۔
وہ رنج کے مارے رو رہا تھا اور اونٹ ہمارے درمیان فاصلہ

ڈال رہے تھے۔
وہ (محمدؐ) اونٹوں کی مہار کا پچھلا سرا پکڑے تھا۔
مجھے اس کے باپ کی یاد آگئی اور میں نے بیحد آنسو بہائے
وہ آنسو جو ہمیشہ میری دونوں آنکھوں سے جاری رہتے تھے
حضرت ابوطالبؑ اپنا بیان جاری رکھتے ہوئے کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرتؐ کو قافلے کے ساتھ چلنے کی اجازت دے دی اور اس سلسلے میں وہ مندرجہ ذیل اشعار کا اضافہ کرتے ہیں:
اور جب ہم نے بصریٰ کی سرزمین میں پڑاؤ ڈالا
ہمیں اچھے مکانوں میں اتارا گیا اور احترام کی نگاہ سے دیکھا گیا
اس وقت بُحیرا جلدی سے وہاں آیا اور اس نے بڑی تیزی سے ہمارے لیے عمدہ کھانا اور مشروب تیار کرایا۔
اس نے کہا آپ اپنے سب ساتھیوں کو ہمارے کھانے پر جمع کیجیے۔
ہم نے کہا کہ ایک نوعمر لڑکے کے علاوہ سب لوگ آگئے ہیں
وہ نوعمر لڑکا یتیم ہے لیکن بُحیرا نے اسے بھی بلوالیا۔
اور کہا کہ آج کھانا بہت ہے اور اسے محروم نہیں رہنا چاہیے
اور اگر تم ہمیں محمدؐ کے وجود سے آگاہ نہ کر دیتے
تو آج ہمارے نزدیک تمہاری کوئی عزت نہ ہوتی
اور جب بُحیرا نے دیکھا کہ محمدؐ اس کے گھر کی طرف آرہے ہیں
اور ابر کا سایہ ان کو سورج کی دھوپ سے بچا رہا ہے

تب اس نے ان کے سامنے اپنا سر سجدے میں رکھ دیا اور بڑی گرمجوشی سے ان کو اپنے سینے سے لگا لیا۔ ؎

ابوطالبؑ کا رسول اکرمؐ کے وسیلے سے بارش کی دُعا کرنا

جلھمہ بن عرفطہ نے کہا:

ایک دفعہ میں مکہ آیا جبکہ اہل مکہ قحط اور خشک سالی میں مبتلا تھے۔

قریش نے کہا: اے ابوطالبؑ!

وادیاں خشک ہو گئی ہیں اور شہر کے لوگ قحط سے دوچار ہیں، چلو چل کے بارش کے لیے دعا کرو۔

اس پر ابوطالب باہر آئے جبکہ ایک لڑکا ان کے ساتھ تھا۔ وہ لڑکا (محمدؐ) ایسے لگتا تھا جیسے سیاہ بادلوں کے پیچھے سے سورج چمک رہا ہو۔ اس لڑکے کے ساتھ اور بھی بہت سے بچے تھے۔ ابوطالبؑ نے اس لڑکے کو اٹھایا اور اس کی پشت دیوارِ کعبہ کے ساتھ لگا دی۔ پھر اس حالت میں کہ وہ اس لڑکے کو اپنی ہتھیلیوں پر اٹھائے ہوئے تھے، انہوں نے بارش کے لیے دعا کی۔

؎ دیوان ابوطالبؑ صفحہ ۳۳ تا ۳۵ + تاریخ ابن عساکر جلد ا صفحہ ۲۶۹ تا ۲۷۲ + روض الانف جلد ا صفحہ ۱۲۰

حالانکہ اس وقت آسمان پر بادل کا ایک ٹکڑا بھی نہ تھا لیکن فوراً ہی ہر طرف سے گھٹائیں گھر کے آئیں اور یوں کھل کر برسیں کہ شہروں اور دیہاتوں کو وافر مقدار میں پانی دستیاب ہو گیا اور وادیاں سرسبز ہو گئیں۔ اس موقع پر حضرت ابوطالبؑ نے یہ شعر کہے:

(محمدؐ) وہ معصوم ہے جس کا چہرہ دیکھ کر ابر پانی سے بھر جاتا ہے
وہ جو یتیموں کی جائے پناہ اور بیوہ عورتوں کا نگہبان ہے
خاندان ہاشم کے رنج دیدہ افراد اس کی پناہ میں آجاتے ہیں
اور اس کی پناہ میں نعمت اور آسودگی کی زندگی بسر کرتے ہیں
وہ عدل کی ایسی میزان ہے کہ کسی پر جو کے ایک دانے کے برابر بھی زیادتی نہیں کرتا۔
وہ ایسا کھرا معاملہ فہم ہے کہ اس کی معاملہ فہمی میں کوئی اندیشہ نہیں ہوتا۔ ؎

جو امور اس بات کی دلیل ہیں کہ حضرت ابوطالب — رسول اکرمؐ کی شانِ نبوت اور رسالت کے مرتبے کو پہچانتے تھے، ان میں ایک وہ عظیم

؎ قسطلانی، شرح بخاری جلد ۲ صفحہ ۲۲۷ + مواہب لدنیہ جلد ا صفحہ ۴۸ + خصائص الکبریٰ جلد ا صفحہ ۸۶ - ۱۲۴ + شرح بہجۃ المحافل جلد ا صفحہ ۱۱۹ + سیرت حلبیہ جلد ا صفحہ ۱۲۵ + دحلان، سیرت نبویہ جلد ا صفحہ ۸۷ + طلبۃ الطالب صفحہ ۲۰۲ + تاریخ ابن عساکر

خشک سالی بھی ہے جو مکہ میں رونما ہوئی تھی۔ چنانچہ جب دو سال تک بارش نہ ہوئی تو حضرت عبدالمطلب نے اپنے بیٹے ابوطالب کو حکم دیا کہ وہ محمدؐ بن عبداللہ کو کپڑے میں لپیٹ لائیں، جو اس وقت شیر خوار تھے۔ پھر عبدالمطلب خانہ کعبہ کی طرف گئے، ننھے محمدؐ کو آسمان کی جانب بلند کیا اور کہا:

اے پروردگار! اس بچے کی خاطر (مینہ برسا) انھوں نے یہ الفاظ تین دفعہ دہرائے اور مسلسل کہتے رہے: اے پروردگار! اس بچے کی خاطر ہم پر موسلا دھار مینہ برسا دے۔ ابھی زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ بادل آسمان پر چھا گئے اور اتنے زور کی بارش ہوئی کہ لوگوں کے دلوں میں مسجد الحرام کے گر جانے کا خوف پیدا ہو گیا۔ [1]

اس وقت ابوطالبؑ نے یہ **قصیدۂ لامیہ** [2] کہا:

(محمدؐ) وہ معصوم ہے جس کا چہرہ دیکھ کر ابر پانی سے بھر جاتا ہے۔
وہ جو یتیموں کی جائے پناہ اور بیوہ عورتوں کا نگہبان ہے

پس حضرت عبدالمطلب کا حضور اکرمؐ کی شیر خوارگی اور ان کے فرزند حضرت ابوطالبؑ کا آپ کے لڑکپن میں آپ کے وسیلے سے بارش کی دعا کرنا ـــــ ان دونوں بزرگوں کے توحید الٰہی پر ایمان اور آنحضرتؐ کی

---

۱ شہرستانی ملل و نحل۔ حاشیہ فصل ۳ صفحہ ۲۲۵

۲ صاحب علم حضرات پر مخفی نہیں کہ "قصیدۂ لامیہ" شعب ابوطالبؑ میں نظربندی کے دنوں میں کہا گیا تھا۔

زندگی کے آغاز ہی سے آپ کی رسالت کے عرفان کا پتہ چلتا ہے۔ چنانچہ اگر تاریخ میں ان دو واقعات کے علاوہ ان کا کوئی اور مقام نہ بھی ہوتا تو بھی یہ واقعات توحید و نبوت پر ان کا اعتقاد اور ایمان ثابت کرنے کے لیے کافی تھے اور یہ واقعات محققین کے لیے بھی ان دونوں کے توحید و نبوت پر ایمان کے بارے میں ایک قوی دلیل بن سکتے ہیں۔

امیر المومنینؑ کی ولادت اور ابوطالبؑ

جابر بن عبداللہ نے کہا ہے:

میں نے علی بن ابی طالب علیہ السلام کی ولادت کے متعلق رسول اکرمؐ سے پوچھا تو آپ نے فرمایا: بلاشبہ تم نے پیدا ہونے والے ایک بہترین شخص کے متعلق سوال کیا ہے جو مسیح کی مانند ہے۔ خداوند تبارک و تعالیٰ نے مجھے علیؑ کے نور سے اور علیؑ کو میرے نور سے اور ہم دونوں کو ایک نور سے پیدا کیا۔ پھر اس نے ہمیں پاک صلبوں سے پاک رحموں میں منتقل فرمایا۔ ہاں یوں سمجھو کہ میں کسی صلب سے منتقل نہیں ہوا مگر یہ کہ علیؑ بھی میرے ساتھ تھا اور مسلسل ایسا ہی ہوتا رہا، حتیٰ کہ خدائے تعالیٰ نے مجھے (میری ماں آمنہ کے) بہترین رحم میں ودیعت کیا تو علیؑ کو بھی (فاطمہ بنت اسد کے) بہترین رحم میں ودیعت کیا۔

اس زمانے میں مبرم بن دعیب بن الشقبان ایک عابد و زاہد شخص تھا۔ وہ دو سو ستر سال تک اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا رہا اور اس سے کوئی حاجت طلب نہ کی تھی۔ پھر ہوا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ابوطالبؑ کو مبرم عابد

کے پاس بھیجا۔ وہ انھیں دیکھتے ہی اٹھ کھڑا ہوا۔ ان کا سر چوما اور اپنے پاس بٹھا لیا۔ تب اس نے ابو طالبؑ سے پوچھا: تم کون ہو؟ انہوں نے کہا: میرا تعلق تہامہ سے ہے۔ اس نے پوچھا: تہامہ کے کس خاندان سے ہو؟ انہوں نے جواب دیا: میں بنی ہاشم سے ہوں۔ اس عابد نے اپنی جگہ سے اُٹھ کر دوبارہ ان کا سر چوما اور کہا: اے شخص! خدا نے ایک بات مجھ پر الہام فرمائی ہے۔ ابو طالبؑ نے پوچھا: وہ کیا؟ عابد نے کہا: تمہاری نسل سے ایک فرزند پیدا ہوگا جو خدائے تعالیٰ کا ولی ہوگا۔ پھر جب علیؑ کی پیدائش کی رات آپہنچی اور زمین روشن ہوگئی تو ابو طالبؑ یہ کہتے ہوئے باہر آئے کہ کعبہ میں خدا کا **ولی** پیدا ہوا ہے۔ وہ رات گزر گئی اور وہ دوسرے دن یہ اشعار پڑھتے ہوئے خانہ کعبہ میں داخل ہوئے:

اے اس اندھیرے کی سیاہی کے پروردگار
اور اے طلوع کرنے والے نورانی چاند کے پروردگار
ہم پر اپنا پوشیدہ امر ظاہر فرما
کہ اس بچے کے نام کے بارے میں تیری کیا منشا رہے؟

اس کے بعد رسول اکرمؐ نے فرمایا: اس وقت ایک آواز سنائی دی جو کہہ رہی تھی:

اے ممتاز پیغمبر کے خاندان والو
تمہیں پاک نہاد فرزند نصیب ہوا ہے
بلند مرتبہ پروردگار کی جانب سے اس کا نام

علیؑ ہے جو پروردگار کے نام علی سے مشتق ہوا ہے ۱؎

ابو طالبؑ اور آغاز نبوّت

حنبلی فقیہہ، ابراہیم بن علی بن محمد دینوری اپنی کتاب نہایۃ الطلب میں ایک طولانی حدیث میں طاؤس بن عباس کا قول نقل کرتے ہیں:

رسول اکرمؐ نے اپنے چچا عباسؓ سے فرمایا:

خدائے تعالیٰ نے مجھے نبوت و رسالت کی خبر دی ہے اور اپنی تبلیغ و دعوت کو ظاہر کرنے کا حکم دیا ہے۔ کہیے آپ کا کیا خیال ہے؟

عباسؓ نے کہا: میرے پیارے بھتیجے! تم جانتے ہو کہ قریش تمہارے خاندان سے بے حد حسد کرتے ہیں۔ جو کچھ تم کہتے ہو اگر وہی ہوا تو ہم پر بہت بڑی مصیبت آجائے گی۔ وہ لوگ ہم سب کو ایک کمان سے نشانہ بنائیں گے اور ہمیں جڑ سے اکھاڑ پھینکیں گے۔ تم اس کام سے باز رہو اور ہمیں یونہی رہنے دو۔ پھر بھی اپنے چچا ابو طالبؑ سے رجوع کرو کیونکہ وہ تمہارے سب سے بڑے چچا ہیں۔ اگر وہ تمہاری مدد نہیں کریں گے تو کم از کم وہ تمہیں خوار بھی نہیں ہونے دیں گے اور تمہیں ان لوگوں کے سپرد نہیں کریں گے۔

پھر وہ دونوں ابو طالبؑ کے پاس گئے۔ وہ دیکھتے ہی بولے: یقیناً کوئی خاص بات ہے، اس وقت تمہیں کونسا مسئلہ یہاں کھینچ لایا ہے؟

۱؎ گنجی شافعی، کفایت الطالب صفحہ ۲۶۰

عباس نے وہ باتیں ابو طالبؑ کو بتائیں جو ان کے اور رسول اکرمؐ کے درمیان ہوئی تھیں۔ ابو طالبؑ نے رسول اکرمؐ پر نگاہ ڈالی اور کہا: اے بھتیجے! اٹھو اور اپنے کام کا آغاز کرو کیونکہ تم واقعی شریف ہو اور ایک طاقتور اور عالی نسب گھرانے سے تعلق رکھتے ہو۔ خدا کی قسم! کوئی زبان تمہیں تکلیف نہیں پہنچائے گی مگر یہ کہ تیز اور کاٹ کرنے والی زبانیں اسے بھی تکلیف پہنچائیں گی اور تیز تلواریں اس پر برسیں گی۔

خدا کی قسم! عرب قوم تمہاری اسی طرح فرمانبردار ہو جائے گی جس طرح دودھ پینے والے جانور اپنے مربّی کے فرمانبردار ہو جاتے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ میرے بزرگوار عبد المطلب ہمیشہ کتاب پڑھتے اور کہتے تھے: بلا شبہ میری نسل سے ایک پیغمبر ہوگا۔ میری خواہش تھی کہ میں اس کے زمانے میں زندہ ہوتا اور اس پر ایمان لاتا۔ پس میرے فرزندوں میں سے جو کوئی اس کا زمانہ دیکھے وہ اس پر ایمان لائے۔ ۱؎

علامہ امینی کہتے ہیں:

آپ دیکھ رہے ہیں کہ ابو طالبؑ پورے اطمینان کے ساتھ اپنے والد کی یہ فہمائش نقل کرتے ہیں ـــــ وہ آغاز دعوت سے ہی رسول اکرمؐ کو تسلی دیتے ہیں ـــــ انہیں اپنی دعوت پھیلانے اور خدا کا ذکر بلند کرنے کو کہتے ہیں ـــــ وہ اس حقیقت کو بھی تسلیم کرتے ہیں کہ محمدؐ وہی پیغمبر ہیں جن کے بارے میں پیشین گوئی کی گئی ہے کہ عرب ان کے

۱؎ سید بن طاؤس: طرائف۔ صفحہ ۸۵ + ابو الحسن شریف: ضیاء العالمین

سامنے فروتنی کے ساتھ سر تسلیم خم کر دیں گے۔

کیا آپ یقین کر سکتے ہیں کہ حضرت ابو طالبؑ یہ سب کچھ بیان کریں لیکن خود اس پر ایمان نہ رکھتے ہوں؟ پھر بھی اگر کوئی ایسی بات کہتا ہے تو وہ سوائے جھوٹ اور جعل کے اور کچھ نہیں ہے۔

حضرت رسولؐ کی گمشدگی

اور ابو طالبؑ

رسول اکرمؐ کی تبلیغ و دعوت کے بارے میں حضرت ابو طالبؑ کے پاس قبیلۂ قریش کا ایک اجتماع ہوا۔ وہ حضرت رسولؐ کے پیغام سے اپنی نفرت اور بیزاری ظاہر کرنے لگے۔ پھر غصے کے عالم میں اٹھ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے: یعنی یہاں سے اٹھ چلو اور اپنے خداؤں کی عبادت پر قائم رہو۔ اس (تبلیغ) میں ضرور اس کی اپنی غرض ہے۔ ۱؎

علاوہ ازیں انہوں نے کہا: ہم ہرگز اس دین کی جانب نہیں آئیں گے اور اس مسئلے کا بہترین حل یہ ہے کہ محمدؐ کو بے خبری کے عالم میں قتل کر دیا جائے۔ ۲؎

اتفاق سے اسی رات جب رسول اکرمؐ نظر نہ آئے تو یہی سمجھا گیا کہ

۱؎ سورۂ صٓ۔ آیت ۶

۲؎ بقولے یہ بات عقبہ بن ابی معیط نے کہی تھی۔

آپ گم ہوگئے ہیں۔ چنانچہ ابوطالبؑ اور ان کے رشتہ دار آنحضرتؐ کی جائے سکونت پر آئے اور دیکھا کہ وہ موجود نہیں ہیں۔ اس پر ابوطالبؑ نے بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب کے کچھ جوانوں کو جمع کیا اور انہیں کہا:

تم سب ایک ایک تیز تلوار لے لو اور جب میں مسجد الحرام میں داخل ہوں تو میرے پیچھے پیچھے تم بھی وہاں آجانا۔ پھر تم میں سے ہر ایک غور سے دیکھے اور قریش کے رؤسا میں سے کسی ایک کے ساتھ بیٹھ جائے، انہی رؤسا میں سے ایک ابوجہل بھی ہے۔ پس اگر محمدؐ کو قتل کر دیا گیا ہو تو وہ (ابوجہل) بچ کر نہ جائے۔

جوانوں نے کہا: ہم ایسا ہی کریں گے۔

دریں اثنا زید بن حارثہ وہاں آئے اور انہوں نے ابوطالبؑ کو اس حالت میں دیکھا۔

حضرت ابوطالبؑ نے ان سے پوچھا: اے زید! تم نے میرے بھتیجے (محمدؐ) کو کہیں دیکھا ہے؟

زید نے جواب دیا: جی ہاں، ابھی تھوڑی دیر پہلے میں ان کے پاس تھا۔

حضرت ابوطالبؑ نے کہا: جب تک میں اسے دیکھ نہ لوں گھر نہیں جاؤں گا۔

اس وقت رسول اکرمؐ کوہِ صفا کے ایک مقام پر اپنے ساتھیوں سے گفتگو میں مشغول تھے۔ زید جلدی سے وہاں گئے اور انہیں صورتِ حال سے آگاہ کیا۔ آنحضرتؐ یہ ماجرا سن کر ابوطالبؑ کے پاس آگئے۔

ابوطالب نے کہا: میرے بھتیجے! خیریت سے ہو۔۔۔ نا! تم کہاں تھے؟

آنحضرتؐ نے فرمایا: جی۔۔۔ خیریت سے ہوں۔

ابوطالبؑ نے کہا: اب اپنے گھر چلو۔۔۔ آنحضرتؐ نے ایسا ہی کیا۔ رات گزر گئی اور صبح ہوتے ہی ابوطالبؑ نے آنحضرتؐ کا ہاتھ تھاما اور انہیں قریش کے ایک مجمع میں لے گئے، جبکہ ہاشمی جوان بھی ان کے ہمراہ تھے۔

ابوطالب نے کہا: اے قریش! کیا تمہیں علم ہے کہ رات ہم نے کیا فیصلہ کیا تھا؟

انہوں نے جواب دیا: نہیں۔۔۔ پھر ابوطالبؑ نے انہیں سارا ماجرا کہہ سنایا اور ہاشمی جوانوں سے کہا: جو کچھ تمہارے ہاتھوں میں ہے، سب کو دکھا دو۔

جوانوں نے ایسا ہی کیا اور اچانک ہی قریش نے دیکھا کہ ان میں سے ہر ایک کے پاس ایک تیز تلوار ہے۔

اس وقت ابوطالبؑ نے کہا:

خدا کی قسم! اگر تم نے اس (محمدؐ) کو قتل کر دیا ہوتا تو تم میں سے ایک بھی زندہ نہ بچتا اور ہم تم ایک دوسرے کو نابود کر دیتے۔ یہ سن کر قریش اور بالخصوص ابوجہل شرمندہ ہوگیا۔ [1]

---

[1] ابن سعد: طبقات۔ جلد ۱ صفحہ ۱۳۵ (لیڈن)، صفحہ ۱۸۶ (مصر)

یہ واقعہ کچھ ردوبدل کے ساتھ ایک اور پیرائے میں نقل کیا گیا ہے:

ایک دفعہ حضرت ابوطالبؑ کو خیال گزرا کہ رسول اکرمؐ گم ہو گئے ہیں۔ وہ سمجھے کہ قریش کے ایک گروہ نے انہیں چھپ کر قتل کر دیا ہے۔ لہٰذا انہوں نے ایک آدمی کے ذریعے بنی ہاشم کو کہلوا بھیجا: اے بنی ہاشم! میرا خیال ہے کہ قریش کے ایک گروہ نے محمدؐ کو قتل کر دیا ہے۔ تم میں سے ہر ایک کو مسلح ہو کر قریش کے کسی ایک سردار کے پاس بیٹھ جانا چاہیے۔ پھر جب میں یہ اعلان کروں کہ میں محمدؐ کو تلاش کر رہا ہوں، تو تم میں سے ہر ایک اپنے پاس بیٹھے ہوئے سردار کو قتل کر دے۔ یہ خبر رسول اکرمؐ کو ملی جو اس وقت کوہِ صفا کے ایک مقام پر تشریف فرما تھے۔ آنحضرتؐ تیزی سے ابوطالبؑ کے پاس آئے اور انہیں مسجد میں پایا۔

ابوطالبؑ نے جب انہیں دیکھا تو ان کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا: اے قریش! محمدؐ مجھے مل نہیں رہے تھے اور میرا خیال تھا کہ تم نے انہیں قتل کر دیا ہے۔ اس لیے میں نے بنی ہاشم کے ان جوانوں کو جو یہاں موجود ہیں، کہا تھا کہ ان میں سے ہر ایک مسلح ہو کر تمہارے ایک ایک سردار کے پاس بیٹھ جائے۔ پھر جب میں یہ اعلان کروں کہ میں محمدؐ کو تلاش کر رہا ہوں، تو ان میں سے ہر ایک اپنے پاس بیٹھے ہوئے سردار کو قتل کر دے۔

ہاں، اے بنی ہاشم کے جوانو! جو کچھ تمہارے ہاتھوں میں ہے اب اسے ظاہر کر دو۔ تب ان جوانوں نے اپنے ہتھیار سامنے کر دیئے جبکہ قریش سہمے سہمے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ اس وقت سے وہ رسول اکرمؐ کے

معاملے میں کچھ نہ کچھ ڈرنے لگے۔ ابوطالبؑ نے اس موقع کی مناسبت سے یہ اشعار کہے:

ہاں! قریش سے کہہ دو کہ ان کے سب بھید
جہاں کہیں وہ کھلیں، دھوکا اور فریب ہیں
تیز قدم اور پرجوش گھوڑوں کی قسم
اور ان مقدس کتابوں کی قسم! علماء جن کی تلاوت کرتے ہیں
میں محمدؐ کے خاندان کا **محافظ** اور سرپرست ہوں
اور ان سے میری محبت دل اور ضمیر کی گہرائیوں سے ہے
اے میرے بھتیجے! اے وہ جو ہمیشہ میرے دل میں ہے
اے وہ سفید بادل جو خوشگوار اور کثیر پانی رکھتا ہے
اے سرداروں کے فرزند، وہ سردار جو قصیؑ کی اولاد سے ہیں
اے وہ کہ جس کی پیشانی (نور نبوت سے) چاند کی طرح چمکتی ہے

ایک تیسری روایت میں اس واقعہ کی تفصیل یوں آئی ہے کہ سید فخارؒ نے کہا:

شیخ حافظ ابوالفرج عبدالرحمٰن بن محمد جوزی محدث بغدادی جو ابوطالبؑ کے کفر کا قائل ہے، اس نے ۵۹۱ھ میں ـــــ واسط (عراق) میں مجھے اپنی اسناد کے ساتھ واقدی سے یہ خبر دی:

عبدالمطلب کے فرزند ابوطالبؑ ـــــ صبح و شام رسول اکرمؐ کے ساتھ رہتے اور دشمنوں سے ان کی حفاظت کرتے تھے۔ کیونکہ انہیں یہ ڈر

رہتا تھا کہ کہیں دشمن آنحضرتؐ کو قتل نہ کردیں۔ ایک دن آنحضرتؐ ان کی آنکھوں سے اوجھل ہوگئے اور پھر رات تک نظر نہ آئے۔ اگلی صبح —— انہوں نے رسول اکرمؐ کو ان تمام جگہوں پر ڈھونڈا، جہاں ان کے موجود ہونے کا امکان تھا۔ لیکن وہ ان کو کہیں بھی نہ ملے، جس سے انہیں بڑا دکھ ہوا اور انہوں نے دل ہی دل میں کہا: "ہائے —— اے فرزندا!"

پھر انہوں نے اپنے تمام غلاموں اور ملازموں کو جمع کیا اور کہا:

"میں نے گزشتہ رات اور آج دن میں محمدؐ کو نہیں دیکھا۔ اس پر مجھے رہ رہ کر خیال آتا ہے کہ کہیں قریش نے ان کو چوری چھپے قتل نہ کردیا ہو۔ اب صرف ایک ہی ایسی جگہ رہ گئی ہے کہ جہاں میں نے انہیں تلاش نہیں کیا، لیکن میں ان کا وہاں موجود ہونا بعید سمجھتا ہوں۔ پھر انہوں نے اپنے بیس غلاموں کا انتخاب کیا اور انہیں کہا: جاؤ خنجر لے آؤ اور تم میں سے ہر ایک جا کر قریش کے ایک ایک سردار کے پاس بیٹھ جائے۔ اگر میں آؤں اور محمدؐ میرے ساتھ ہوں تو کچھ نہ کرنا —— لیکن اگر میں آؤں اور محمدؐ میرے ساتھ نہ ہوں تو تم ہر اس سردار کو قتل کردینا جو تمہارے پاس بیٹھا ہو۔

وہ لوگ گئے اور انہوں نے اپنے خنجر خوب تیز کیے اور لے آئے۔ تب ابوطالبؑ اپنے رشتہ داروں کے ایک گروہ کو لے کر اس مقام کی طرف گئے جہاں انہیں آنحضرتؐ کے ملنے کا گمان تھا۔ وہ مقام جو مکہ کے نشیبی علاقے میں واقع تھا، وہاں انہوں نے آنحضرتؐ کو ایک

چٹان کے پاس نماز پڑھتے ہوئے پایا۔ انہوں نے آنحضرتؐ کو دیکھتے ہی اپنی آغوش میں لے لیا اور آپ کے سرو چہرہ پر بوسے دیتے ہوئے کہا: میرے بھتیجے! میرے ساتھ چلو، کیونکہ میں اب تمہاری قوم کے خلاف اقدام کرنے ہی والا تھا۔ پھر انہوں نے آنحضرتؐ کا بازو تھام لیا اور مسجد الحرام کی جانب چل پڑے۔ اس وقت قریش مل کر کعبہ کے نزدیک بیٹھے تھے۔ جب انہوں نے ابوطالبؑ کو رسول اکرمؐ کے ہاتھ میں ہاتھ دیے آتے دیکھا تو کہنے لگے:

یہ ابوطالبؑ ہے جو محمدؐ کے ساتھ آرہا ہے۔ یقیناً اسے ہم لوگوں سے کچھ کام ہے۔ ابوطالبؑ آئے اور ان کے سامنے کھڑے ہوگئے، جب کہ غصے کے آثار ان کے چہرے سے ظاہر تھے۔ تب انہوں نے اپنے غلاموں سے کہا: جو کچھ تمہارے ہاتھوں میں ہے وہ سامنے کردو اور انہوں نے ایسا ہی کیا۔ جب قریش نے ان کے ہاتھوں میں خنجر دیکھے تو کہنے لگے بولے ابوطالبؑ! یہ کیا چیزیں ہیں؟

ابوطالبؑ نے جواب دیا: وہی جو تم دیکھ رہے ہو۔ بات یہ ہے کہ میں دو دن سے محمدؐ کو تلاش کر رہا تھا اور وہ مجھے کہیں نظر نہیں آتے تھے۔ اس پر مجھے ڈر ہوا کہ مبادا تم نے انہیں قتل کردیا ہو۔ لہٰذا میں نے ان لوگوں کو حکم دیا کہ اس اس جگہ پر بیٹھ جائیں، جہاں تم انہیں دیکھ رہے ہو۔ پھر میں نے انہیں کہا کہ اگر میں آؤں اور محمدؐ میرے ساتھ نہ ہوں تو تم میں سے ہر ایک اپنے پاس بیٹھے ہوئے شخص کو قتل کردے اور اس کے لیے میری اجازت کی ضرورت نہیں، خواہ مارے جانے والے کا تعلق بنی ہاشم سے ہی کیوں نہ ہو۔

قریش نے کہا: کیا تم ایسا ہی کرتے؟

ابوطالبؑ نے (خانہ کعبہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) کہا: اس (گھر) کے پروردگار کی قسم! میں ایسا ہی کرتا۔

مطعم بن عدی بن نوفل بن عبد مناف کہ جس نے ابوطالبؑ کے ساتھ پیمان باندھ رکھا تھا، اس نے ان سے پوچھا: کیا واقعی تم اپنی قوم کے خلاف یہ اقدام کرنے کا ارادہ رکھتے تھے؟

ابوطالبؑ نے جواب دیا: "ایسا ہی ہے!" پھر وہ رسول اکرمؐ کو ساتھ لے کر چلے گئے جبکہ وہ یہ اشعار پڑھ رہے تھے:

اے میرے فرزند (**محمدؐ**!) چلو کہ تمہارے لیے کوئی ذلت یا خفت نہیں ہے

چلو کہ تمہیں دیکھ کر آنکھیں روشن اور چمکدار ہو گئی ہیں

خدا کی قسم! قریش اپنی کثرت تعداد اور اسلحہ کے باوجود تم پر ہرگز قابو نہ پا سکیں گے

ایسا تبھی ہو سکتا ہے جبکہ میں قبر میں دفن ہو جاؤں

تو نے مجھے اس خدا کی جانب بلایا اور میں سمجھ گیا کہ تم نے یہ کام خیر خواہی سے کیا ہے

اور تو سچ کہتا ہے کیونکہ اس سے پہلے بھی تجھے امین کہا جاتا تھا

اور تو نے اس دین کی یاد دلائی ہے کہ بلاشبہ وہ لوگوں کے لیے سب سے بہترین دین ہے

اس واقعہ کے بعد قریش ابوطالبؑ سے نرمی کا سلوک کرتے

تھے لیکن وہ ان سے بات نہ کرتے تھے اور ان کی طرف کوئی توجہ نہ دیتے تھے۔

علامہ امینی کہتے ہیں:

یہ مکہ کے شیخ اور سردار (ابوطالبؑ) ہیں جو رسول اکرمؐ کے مقابلے پر اپنی ساری قوم کو قربان کرنے پر تیار ہیں۔ نیز اس بات پر بھی آمادہ ہیں کہ آنحضرتؐ کی خاطر اپنے تمام قومی تعلقات اور دیرینہ معاہدوں کو نظرانداز کر دیں۔ خدا انہیں الٰہی جذبے اور دینی پیمان پر ثابت قدم رکھے جو ذاتی رشتہ و تعلق کے تمام معاہدوں سے برتر ہے۔

حضرت رسولؐ کا آغاز دعوت

اور ابوطالبؑ

یعنی (اے رسولؐ) تم اپنے قریبی رشتہ داروں کو عذاب خدا سے ڈراؤ۔ (سورۂ شعرا۔ آیت ۲۱۴)

جب یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی تو رسول اکرمؐ گھر سے نکل کر کوہِ صفا پر پہنچے اور بہ آواز بلند پکارے ——— "یا صباحاہ"

جب لوگ آپ کے گرد جمع ہو گئے تو آپ نے فرمایا:

اگر میں تمہیں بتاؤں کہ اس پہاڑ پر سے ایک لشکر تم پر حملہ کرنے آ رہا ہے تو کیا تم میری بات کا یقین کر لو گے؟

لوگوں نے جواب دیا: جی ہاں! ہم نے آج تک آپ سے

کوئی جھوٹی بات نہیں سنی۔

اس کے بعد آنحضرتؐ نے فرمایا: یقیناً میں تمہیں ایک دردناک عذاب سے خبردار کر رہا ہوں۔

ان لوگوں میں سے ابولہب نے کہا: وائے ہو تم پر! کیا تم نے ہمیں صرف اتنی سی بات کے لیے یہاں جمع کیا ہے۔

اس واقعہ کے بعد رسول اکرمؐ نے اپنے قریبی رشتہ داروں کو اپنے گھر پر بلایا۔ اس اجتماع میں ابولہب نے بولنا شروع کیا اور کہا:

اے محمدؐ! یہ تمہارے چچا اور چچا زاد بھائی ہیں، ان سے بات چیت کرو۔ ہاں ــــ مگر آباؤ اجداد کا **دین** ترک کرنے اور نیا دین اختیار کرنے کی بات رہنے دو۔ پھر بھی یہ جان لو کہ تمہارا قبیلہ پورے عرب کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ پس تمہارے یہ رشتہ دار ہی تمہیں گرفتار اور قید کرنے کا سب سے زیادہ حق رکھتے ہیں۔ لیکن جو بات تمہارے سر میں سمائی ہوئی ہے، اگر تم اس کی خاطر اٹھنا اور کوئی اقدام کرنا چاہتے ہو تو ان کے لیے تمہیں قید کر دینا قبائل قریش کا مقابلہ کرنے سے کہیں زیادہ آسان ہے۔ میں نے ایسا کوئی شخص نہیں دیکھا جو اپنے اعزہ و اقربا کے لیے اس سے بدتر تحفہ لایا کہ جو تم لائے ہو۔

ابولہب کی ان باتوں کے بعد رسول اکرمؐ نے کچھ نہ کہا اور خاموش ہی رہے۔ تاہم اگلے دن آپؐ نے ان لوگوں کو دوبارہ اپنے ہاں بلایا اور فرمایا: تعریف کے لائق بس خدا ہی ہے اور اس کی حمد و ثنا کرتا ہوں۔ میں اس سے مدد چاہتا ہوں اور اس کی پناہ مانگتا ہوں۔

میں اسی پر بھروسا کرتا ہوں اور گواہی دیتا ہوں کہ خدائے وحدہٗ لاشریک کے علاوہ کوئی خدا نہیں ــــ پھر فرمایا:

کوئی سالار اور **رہنما** اپنی قوم سے غلط بات نہیں کہتا۔ اس خدا کی قسم کہ جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں، میں خدا کا **رسولؐ** ہوں بالخصوص تمہارے لیے اور بالعموم تمام **انسانوں** کے لیے بھیجا گیا ہوں۔ خدا کی قسم! جس طرح تم سو جاتے ہو، ایک دن اسی طرح مر جاؤ گے، ہاں موت کے بعد ــــ اس طرح اٹھائے جاؤ گے، جس طرح نیند سے جاگ اٹھتے ہو۔ یہاں تم جو بھی عمل کرتے ہو، اس کا تم سے حساب کتاب لیا جائے گا، اس کے بدلے میں جنت بھی ہمیشہ کے لیے ہوگی اور جہنم بھی ہمیشہ کے لیے ہوگا۔

ابوطالبؑ نے کہا: تمہاری مدد کرنا ہمیں بے حد عزیز ہے، ہم تمہاری خیرخواہی کے لیے تیار ہو گئے ہیں اور تمہاری باتوں کی مکمل طور پر تصدیق کرتے ہیں۔ یہ لوگ جو یہاں بیٹھے ہیں، تم دیکھ رہے ہو کہ یہ سبھی تمہارے رشتہ دار ہیں اور میں بھی انہیں میں سے ایک ہوں۔ لیکن مجھ میں اور ان میں فرق یہ ہے کہ جو بات تمہیں پسند ہو میں اس کے لیے بہت جلدی کرنے والا ہوں۔ اس لیے اٹھو اور خدا کی طرف سے جو کام تمہیں سونپا گیا ہے، اسے انجام دو۔ خدا کی قسم! میں ہمیشہ تمہارا محافظ اور نگہبان رہوں گا، البتہ میرا نفس اور میرا باطن ــــ عبدالمطلب کے مذہب کو چھوڑنے پر راضی نہیں ہوتا۔[1] اس پر علامہ امینی یہ کہتے ہیں:

---

[1] ابن اثیر۔ الکامل جلد ۲ صفحہ ۲۴

خدا کی رحمت ہو عبدالمطلب پر کہ ان کا مذہب خدائے تعالےٰ کی توحید، اس کے رسولوں اور ان پر آئی ہوئی آسمانی کتابوں پر ایمان ..... اور ہر قسم کی بت پرستی سے دوری کے علاوہ کچھ نہ تھا۔ عبدالمطلب وہی شخص ہیں جنہوں نے اپنی وصیتوں میں یہ اعلان کیا: کوئی ظالم قطعاً اس دنیا سے نہیں جاتا کہ جس سے انتقام لیا گیا ہو اور وہ اپنی سزا کو پہنچ گیا ہو۔ تاکہ وہ ظالم جس نے اس دنیا میں اپنے کیے کی سزا نہ دیکھی ہو وہ آخرت کی تباہی میں جا پڑے۔

جب ان سے ان الفاظ کی وضاحت کرنے کے لیے کہا گیا تو انہوں نے تھوڑی دیر سوچنے کے بعد کہا:

خدا کی قسم! اس دنیا کے بعد ایک اور دنیا ہے، جس میں نیکوکار کو اس کی نیکی کا بدلہ ملے گا اور بدکار اپنی بدکاری کی سزا پائے گا۔

عبدالمطلب وہی شخص ہیں جنہوں نے ابرھہ [1] سے کہا تھا:

اس گھر (یعنی خانہ خدا) کا بھی ایک مالک ہے جو اس کی حفاظت کرتا ہے۔ عبدالمطلب وہی شخص ہیں کہ جنگ حنین میں رجز پڑھتے ہوئے رسول اکرمؐ نے بھی ان کی اولاد ہونے پر فخر کیا۔ یہ چیز بجائے خود عبدالمطلب کو با ایمان ثابت کرتی ہے۔ جیسا کہ آنحضرتؐ نے فرمایا:

میں پیغمبر ہوں اور جھوٹا نہیں ہوں
میں عبدالمطلب کا فرزند ہوں [2]

---

[1] خانہ کعبہ پر ابرھہ کے حملے کا واقعہ قرآن مجید کے سورۂ فیل میں آیا ہے۔
[2] ابن سعد: طبقات، مسلسل صفحہ ۶۶۵ (مصر) + تاریخ طبری جلد ۳ صفحہ ۱۲۹۔

پس ابوطالبؑ کا یہ کہنا: "میرا نفس اور میرا باطن عبدالمطلبؑ کے مذہب سے جدا ہونے پر راضی نہیں ہوتا" درحقیقت عبدالمطلب کے دینِ توحید کا پیرو ہونے کو ظاہر کرتا ہے اور ان کی دوسری باتوں کی طرح یہ بھی واضح بات ہے لیکن انہوں نے حاضرین کے سامنے گفتگو کا یہ انداز اختیار کر کے اس پر ایک قسم کا پردہ ڈال دیا ہے تاکہ وہ ان سے علیحدگی کا موجب بننے والی دشمنی سے محفوظ رہیں۔ تاہم یہ انداز سخن عربوں میں رائج تھا اور وہ اس اخفا میں درپردہ اپنے نظریے کی تائید کرتے تھے۔

لہٰذا اگر ہمارے سردار ــــ حضرت ابوطالبؑ کو اور کوئی حیثیت حاصل نہ ہوتی، تو بھی رسول اکرمؐ کے آغاز دعوت میں ان کا یہی طرز عمل ان کے خالص اسلام، ثبات قدم اور ایمان کامل کو ثابت کرنے کے لیے کافی ہوتا۔

ابن اثیر کہتا ہے:

اس موقع پر ابولہب نے کہا: خدا کی قسم! یہ (محمدؐ) اور اس کی دعوت ایک فتنہ و فساد ہے۔ اس سے پیشتر کہ تمہارے علاوہ دوسرے لوگ اس کے مبلغ بن جائیں، تم اس دعوت و تبلیغ کا راستہ روک دو۔

لیکن ابوطالبؑ نے کہا: خدا کی قسم! ہم جب تک زندہ ہیں اس (محمدؐ) کا دفاع کرتے رہیں گے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ رسول اکرمؐ کی طرف سے وہ ضیافت ابوطالبؑ ہی کے گھر میں دی گئی تھی۔ [1]

---

[1] سیرت حلبیہ جلد ۱ صفحہ ۳۰۴

ابوطالبؑ کے فرزند اور امام علیؑ کے بھائی عقیل کہتے ہیں:

قریش، میرے والد ابوطالبؑ کے پاس آئے اور کہنے لگے:

اے ابوطالبؑ! تمہارا یہ بھتیجا (محمدؐ) ہماری محفلوں میں، کعبہ میں اور ہمارے اس وطن میں ہمیں تکلیف پہنچاتا ہے۔ وہ ہمیں ایک ایسا کلام پڑھ کر سناتا ہے جو ہمیں پسند نہیں۔ اگر تم اسے ان باتوں سے روکنا مناسب سمجھتے ہو تو اسے روک دو۔

میرے والد نے مجھ سے کہا: اے عقیل! اپنے چچا زاد بھائی (محمدؐ) کو ڈھونڈ لاؤ۔ میں گیا اور ان کو ابوطالبؑ کے ایک کچے مکان میں پایا۔ میں انہیں وہاں سے باہر لایا اور جب وہ میرے ساتھ چل رہے تھے تو ان کا اصرار تھا کہ اسی گھر میں واپس چلے جائیں، تاہم وہ واپس نہ ہوئے۔ حتیٰ کہ ہم ابوطالبؑ کے پاس پہنچ گئے۔ انہوں نے آپ سے کہا: اے بھتیجے! خدا کی قسم کہ تم ہمیشہ میرے مطیع اور فرمانبردار رہے ہو۔ اب تمہارا قبیلہ (قریش) یہ سمجھتا ہے کہ تم کعبہ میں اور انکی محفلوں میں انہیں تکلیف دیتے ہو۔ نیز تم انہیں وہ کلام پڑھ کر سناتے ہو جو انہیں پسند نہیں ہے، پس اگر ممکن ہو تو اس کام سے باز رہو۔

رسول اکرمؐ نے اپنی نظریں آسمان پر گاڑ دیں اور فرمایا:

میرے پروردگار نے مجھے جس کام کے لیے بھیجا ہے، خدا کی قسم! میں اس پر قادر نہیں ہوں کہ اس سے ہٹ جاؤں، چاہے یہ لوگ میرے لیے ایک ایسی شعلہ دار آگ روشن کر دیں جو سورج کی طرح جلانے والی ہو۔

ابوطالبؑ نے کہا: خدا کی قسم! وہ اپنی بات میں ہرگز جھوٹا نہیں ہے۔ اس کی طرف رجوع کرو اور سیدھی راہ پاؤ۔[1]

دعوت ذوالعشیرہ کی جو روایت امام علی علیہ السلام سے آئی ہے، اس کے سلسلۂ بیان میں آپ فرماتے ہیں:

پھر رسول اکرمؐ نے فرمایا: کون ہے جو اس کام میں میری مدد کا وعدہ کرے، تاکہ وہ میرا بھائی بنے اور بہشت کا حقدار ہو جائے۔

میں نے کہا: "یا رسول اللہؐ! میں یہ کام کروں گا" حالانکہ اس وقت میں سب سے کمسن اور لاغر بدن کا تھا۔ قریش پہلے تو خاموش ہو گئے، پھر کہنے لگے: "اے ابوطالبؑ! کیا تم اپنے بیٹے کو دیکھ رہے ہو؟"

میرے والد نے کہا: اسے نہ چھیڑو کیونکہ وہ اپنے چچا زاد بھائی کے ساتھ بھلائی اور نیکی میں ہرگز کوتاہی نہیں کرے گا۔[2]

ابوعمرو زاہد طبری ـــ تغلب سے اور وہ ابن اعرابی سے روایت کرتا ہے کہ اس نے لفظ ـــ اَلْعَوِزْ ـــ کے بارے میں کہا:

---

[1] علامہ امینی فرماتے ہیں کہ بخاری نے اپنی تاریخ میں یہ روایت معتبر راویوں سے نقل کی ہے۔ اسی طرح محب طبری نے ذخائر العقبیٰ (صفحہ ۲۲۳) میں یہی الفاظ لکھے ہیں۔ البتہ تاریخ ابن کثیر جلد ۳ صفحہ ۴۲ پر ابن کثیر نے اس روایت میں سے وہ لفظ حذف کر دیا ہے جس سے ایمان ابوطالبؑ کا ثبوت ملتا ہے۔ اور شاید اسی کا نام دیانتداری ہے۔ [2] ابن سعد: طبقات جلد ۱ صفحہ ۱۷۱

عِوَدٌ یعنی — پست، بے قیمت اور اس کا ثبوت ابن عباس کی اس روایت سے ملتا ہے۔ جس میں وہ امام علی علیہ السلام کی پوری گفتگو نقل کرتا ہے، حتیٰ کہ وہاں پہنچتا ہے جہاں امام علیؑ فرماتے ہیں:

جونہی رسول اکرمؐ کچھ فرمانے لگے؛ ابو لہب نے انہیں ٹوک دیا اور خود بولنا شروع کر دیا — اور پھر کہا: اٹھو چلیں — اور قریش اٹھ کر چلے گئے۔ دوسرے دن رسول اکرمؐ نے مجھے دوبارہ حکم دیا تو میں نے پہلے دن کی طرح کھانے پینے کی چیزیں مہیا کیں اور قریش کو بلایا۔ وہ آئے اور انہوں نے کھایا پیا — جب رسول اکرمؐ ان سے خطاب کرنے کے لیے اٹھے تو ابو لہب نے پھر سے انہیں ٹوک دیا۔ تب ابوطالبؑ نے ابولہب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

اے بدفطرت خاموش رہ! تجھے اس بات سے کیا مطلب؟

اور پھر فرمایا: کوئی نہ اُٹھے، یہ سن کر سبھی بیٹھ گئے۔ اب انھوں نے رسول اکرمؐ سے کہا:

میرے سردار! اٹھیے اور جو کچھ کہنا آپ پسند کرتے ہیں کہیے اور اپنے پروردگار کا پیغام دوسروں تک پہنچائیے، کیونکہ آپ سچے ہیں اور سچے قرار دیے گئے ہیں۔ [1]

علامہ امینی کہتے ہیں: یہ ابوطالبؑ — ان پر خدا کی رحمت

---

[1] ابن اثیر: البدایہ۔ جلد ۳ صفحہ ۵۶ + زمخشری: الفائق جلد ۲ صفحہ ۹۸ + لسان العرب جلد ۶ صفحہ ۲۹۴ + تاج العروس جلد ۳ صفحہ ۴۲۸

ہو — کتنے اچھے کافر ہیں کہ اپنی تمام ظاہری اور باطنی قوت کے ساتھ خدا کے پسندیدہ دین — **اسلام** — کا دفاع کرتے ہیں۔ ایسی تند و تیز زبان میں قریش کے سرداروں کو ڈانٹتے ہیں اور رسول اکرمؐ کو خدائے تعالیٰ کے دین کی طرف دعوت دینے اور لوگوں تک پہنچانے کی ترغیب دیتے اور آنحضرت کو سچا اور سچا قرار دیا ہوا سمجھتے ہیں۔

ابوطالبؑ کی اپنے بیٹے علیؑ کو ہدایت

ابن اسحاق نے کہا ہے:

ایک عالم نے بیان کیا ہے کہ رسول اکرمؐ نماز کے وقت ابوطالبؑ اور دوسرے رشتہ داروں سے چھپ کر علیؑ کو ہمراہ لیتے اور مکہ کی گھاٹیوں میں جاتے تھے۔ وہاں جا کر وہ دونوں نماز جماعت پڑھتے اور شام کے وقت لوٹ آتے تھے۔ یوں وہ جب تک خدا چاہتا وہاں ٹھہرتے اور تکرار عمل کرتے رہتے تھے۔ پھر ایک دن اتفاق سے ابوطالب نے ان دونوں کو دیکھ لیا کہ وہ دونوں نماز جماعت پڑھ رہے ہیں۔ ابوطالبؑ نے رسول اکرمؐ سے خطاب کرتے ہوئے کہا: میرے بھتیجے! یہ کونسا مذہب ہے جس کی تم پیروی اور اطاعت کرتے ہو؟

رسول اکرمؐ نے فرمایا: چچا جان! یہ خدا کا، فرشتوں کا، انبیاء کا اور ہمارے باپ ابراہیمؑ کا دین ہے!

بعض لوگوں کا قول ہے کہ ابوطالبؑ نے علیؑ سے بھی کہا: میرے بیٹے! یہ کونسا مذہب ہے جس کے تم معتقد ہو؟

امام علیؑ نے فرمایا: باباجان! میں خدا اور اس کے رسولؐ پر ایمان لایا ہوں ـــــ میں نے رسول اکرمؐ کی رسالت کی تصدیق کی، انکی پیروی اختیار کی اور ان کے ہمراہ خدا کی خاطر نماز پڑھتا ہوں۔

اس پر ابوطالبؑ نے امام علیؑ سے کہا: یاد رکھو کہ پیغمبرؐ نے تمہیں بھلائی کے علاوہ کسی چیز کی جانب نہیں بلایا، پس ان سے وابستہ رہو۔

امام علیؑ کا ایک قول نقل کیا گیا ہے کہ جب وہ رسول اکرمؐ پر ایمان لائے تو ابوطالبؑ نے ان سے کہا: اپنے چچازاد بھائی کے ساتھ وابستہ ہو جاؤ۔ [1]

امام علیؑ کا ایک قول یہ بھی ہے:

میرے باپ نے مجھ سے کہا: میرے بیٹے! اپنے چچازاد بھائی (پیغمبر محمدؐ) سے وابستہ ہو جاؤ، کیونکہ اس کی پناہ میں تم زمانہ حال اور آئندہ کے ہر خطرے اور مصیبت سے امان میں رہو گے۔

پھر انہوں نے یہ شعر پڑھا:

تمہارے محمدؐ سے وابستہ ہونے پر مجھے اطمینان حاصل ہوا ہے
پس تم اپنے ہاتھوں کو اس کی دوستی اور ہمراہی کے رشتے میں مضبوطی سے باندھ لو

ابن ابی الحدید مزید کہتا ہے کہ ابوطالبؑ نے اس موقع کی مناسبت

---

[1] ابن ہشام: سیرت جلد۱ صفحہ ۲۶۵ + طبری: تاریخ جلد۲ صفحہ ۲۱۴ + ثعلبی: تفسیر عیون الاثر جلد۱ صفحہ ۹۴ + اصابہ جلد۴ صفحہ ۱۱۶ + اسنی المطالب صفحہ ۱۰۔

سے جو اشعار کہے ہیں ان میں یہ بھی ہیں:

سچ تو یہ ہے کہ علیؑ اور جعفر میرے اعتماد اور بھروسے کے قابل ہیں
جب زمانے کی تکلیفیں اور مصیبتیں آ پہنچیں
اپنے چچازاد بھائی (محمدؐ) کی مدد کرو اور اسے بیکس اور تنہا نہ چھوڑو
وہ میرے لیے بمنزلہ بھائی کے ہے اور میرے ماں باپ اس پر فدا ہوں
خدا کی قسم! میں پیغمبر (محمدؐ) کو بے مدد کے نہ رہنے دوں گا
اور میرے شریف فرزندوں میں سے کوئی بھی ایسا نہیں کرے گا۔ [1]

مذکورہ بالا تین اشعار عسکری نے اپنی کتاب "اوائل" میں درج کیے اور لکھا ہے:

ابوطالبؑ اپنے بیٹے جعفر کے ساتھ رسول اکرمؐ کے پاس سے گزرے تو دیکھا کہ وہ نماز پڑھ رہے ہیں اور علیؑ بھی ان کے ساتھ ہیں۔ انہوں نے جعفر سے مخاطب ہو کر کہا: تم بھی اپنے چچازاد بھائی کے ساتھ ہو کر نماز پڑھو، اس پر جعفر بھی علیؑ کے پہلو میں کھڑے ہو گئے۔ ادھر رسول اکرمؐ کو اس بات کا علم ہو گیا اور وہ نماز کی امامت کے لیے ان دونوں کے آگے ہو گئے اور عبادت میں مشغول رہے۔ حتیٰ کہ نماز اختتام کو پہنچی۔ تب ابوطالبؑ یہ شعر پڑھتے ہوئے خوش خوش واپس آئے:

سچ تو یہ ہے کہ علیؑ اور جعفر میرے اعتماد اور بھروسے کے قابل ہیں
جب زمانے کی تکلیفیں اور مصیبتیں آ پہنچیں

---

[1] ابن ابی الحدید: شرح نہج البلاغہ جلد۳ صفحہ ۳۱۴ دیوان ابوطالب صفحہ ۳۶

اذاں بعد عسکری نے کچھ اور اشعار نقل کیے ہیں جن کا ابن ابی الحدید نے ذکر نہیں کیا، ان میں سے ایک شعر یہ ہے:

ہم اس پیغمبر کی پشت پناہی کرتے ہیں
اور اس کے دشمنوں کو شہاب ثاقب کی طرح مار بھگاتے ہیں۔

ابوطالبؑ نے اپنے بیٹے علیؑ کو نماز پڑھنے کی اجازت دی

جب رسول اکرمؐ پر خدا کی طرف سے وحی نازل ہوئی اور آپ نبوت پر مبعوث ہوگئے تو آپ مسجد الحرام میں آئے اور نماز پڑھنے لگے۔ علیؑ ابن ابی طالبؑ جو اس وقت ۹ سال کے تھے، آنحضرتؐ کے پاس سے گزرے تو آپ نے فرمایا: اے علیؑ! میرے پاس آؤ۔ جب وہ آنحضرتؐ کے پاس آئے تو آپ نے ان سے یوں خطاب فرمایا:

میں بالخصوص تمہارے لیے اور بالعموم تمام انسانوں کے لیے خدا کا رسولؐ ہوں۔ پس تم میری دائیں جانب کھڑے ہو جاؤ اور نماز ادا کرو۔

علی ابن ابی طالبؑ نے جواب دیا: اے خدا کے رسولؐ! میں جاکر اپنے باپ سے اجازت لے آؤں؟

رسول اکرمؐ نے فرمایا: جاؤ—— وہ تمہیں اجازت دے دیں گے۔

پس علیؑ رسول اکرمؐ کی پیروی کرنے کی اجازت لینے اپنے باپ کے پاس گئے۔ تب ابوطالبؑ نے ان سے کہا: میرے بیٹے! تم جانتے ہو کہ محمدؐ ہمیشہ خدا کے امین رہے ہیں۔ ان کی خدمت میں جاؤ اور ان کی پیروی کرو تاکہ تمہیں کمال اور نجات حاصل ہو۔

علی ابن ابی طالبؑ رسول اکرمؐ کے پاس واپس آئے جو مسجد الحرام میں نماز پڑھ رہے تھے۔ وہ بھی آنحضرتؐ کی دائیں جانب کھڑے ہوگئے اور نماز ادا کی۔ اس وقت ابوطالبؑ ان دونوں کے پاس سے گزرے اور دیکھا کہ وہ نماز پڑھ رہے ہیں۔ انہوں نے پوچھا: اے محمدؐ! تم کیا کر رہے ہو؟

آنحضرتؐ نے فرمایا: میں آسمانوں اور زمین کے خدا کی عبادت کر رہا ہوں اور میرا بھائی علیؑ بھی میرے ہمراہ ہے، پس جس ذات کی میں عبادت کر رہا ہوں وہ بھی اسی کی عبادت کر رہا ہے اور میں آپ کو بھی خدائے وحدہٗ لاشریک کی پرستش کی طرف بلاتا ہوں۔ [1]

اس پر ابوطالبؑ مسکرا دیئے، یہاں تک کہ ان کے سفید دانت نظر آگئے اور پھر انہوں نے یہ اشعار کہے:

خدا کی قسم! قریش اپنی کثیر تعداد اور اسلحہ کے باوجود تم پر قابو نہ پاسکیں گے
مگر—— اس وقت جب میں قبر میں دفن ہو چکا ہوں گا

---

[1] ابوبکر شیرازی: تفسیر صفحہ ۳۳۴

ابو طالبؑ نے اپنے بیٹے جعفرؓ کو نماز پڑھنے کی ہدایت کی

ابو طالبؑ نے دیکھا کہ رسول اکرمؐ اور علیؑ نماز پڑھ رہے ہیں جبکہ علیؑ آنحضرتؐ کے دائیں جانب کھڑے تھے۔ تب انھوں نے اپنے بیٹے جعفرؓ سے فرمایا: اپنے چچا کے بیٹے (محمدؐ) سے وابستہ ہو جاؤ اور ان کی بائیں جانب کھڑے ہو کر نماز پڑھو۔ اس طرح جعفرؓ نے علیؑ سے تھوڑی ہی مدت کے بعد اپنے اسلام کا اعلان کیا۔ اس بارے میں ابو طالبؑ نے مندرجہ ذیل اشعار کہے:

اے ابا یعلٰی جم جانا چاہیے ـــــ احمدؐ کے مذہب پہ جم جانا چاہیے

دین کے مددگار رہو تا کہ اس مضبوطی کے ساتھ تمہیں توفیق بھی حاصل ہو

(محمدؐ) کے نگہبان اور اس کا دفاع کرنے والے بنو، جو اپنے پروردگار کی طرف سے حق کے ساتھ آیا ہے

اور اس راستے میں وفا اور خلوص کو اپناؤ نہ کہ دوری اور بدخواہی

اے جعفرؓ، جب تو نے کہا کہ میں (محمدؐ پر) ایمان لایا ہوں تو میں خوش ہو گیا

پس خدا کی خاطر اس کے رسولؐ کے مددگار بنے رہو

اور (اے محمدؐ!) جو تحفہ تم قریش کے لیے لائے ہو اسے ان پر ظاہر کرو

اور کھل کر اعلان کر دو کہ احمدؐ جادوگر نہیں ہے [۱]

برزنجی نے لکھا ہے:

ابو طالبؑ کی رسول اکرمؐ سے والہانہ محبت، تبلیغ رسالت میں ان کی امداد اور حفاظت نیز ان کے اقوال کی تصدیق کرنے کے بارے میں روایات تواتر کی حد تک پہنچی ہوئی ہیں۔ جیسا کہ انھوں نے اپنے بیٹے علیؑ اور جعفرؓ کو حکم دیا کہ وہ رسول اکرمؐ کی پیروی اور مدد کریں۔

ان تمام روایات سے بالصراحت پتا چلتا ہے کہ ابو طالبؑ کا دل رسول اکرمؐ پر ایمان سے مالا مال اور لبریز تھا۔ [۲]

رسول اکرمؐ سے ابو طالبؑ کا جوش محبت

ابو جعفر محمد بن حبیبؒ اپنی کتاب **امالی** میں لکھتے ہیں:

ابو طالبؑ جب بھی رسول اکرمؐ کو دیکھتے، ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے اور وہ کہتے: میں جب اس (محمدؐ) کو دیکھتا ہوں میرے دل میں اپنے بھائی کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ رسول اکرمؐ کے والد ـــــ

---

[۱] اسد الغابہ جلد ۱ صفحہ ۲۸۷ + ابن ابی الحدید: شرح نہج البلاغہ جلد ۳ صفحہ ۳۱۵ الاصابہ جلد ۴ صفحہ ۱۱۶ + سیرۃ حلبیہ جلد ۱ صفحہ ۲۸۶

[۲] اسنی المطالب، صفحہ ۱۰۶

عبداللہ ۔۔۔ حضرت ابوطالبؑ کے سگے بھائی تھے اور ابوطالب و عبدالمطلب کو آنحضرتؐ سے بے حد محبت و ہمدردی تھی۔

ابوطالبؑ کو اس بات کا بہت ڈر رہتا تھا کہ مبادا دشمنوں کو رسول اکرمؐ کی خوابگاہ کا پتا چل جائے اور وہ آپ پر شبخون ماریں۔ اس لیے وہ رات کے وقت اپنے بیٹے علیؑ کو آنحضرتؐ کے بستر پر سلا دیتے تھے۔ ایک رات علیؑ نے کہا: باباجان! ایسے میں ممکن ہے کہ میں قتل ہو جاؤں۔

ابوطالب نے جواب میں کہا:

میرے بیٹے صبر کرو کیونکہ صبر بہتر ہے۔
اور ہر زندہ مخلوق کو موت کی جانب لوٹنا ہے۔
بلاشبہ میں نے تمہیں اس راستے پر ڈال دیا ہے جس میں سخت مصیبتیں اور آزمائشیں ہیں۔
یہ آزمائشیں میرے بھائی (عبداللہ) اور اس کے بیٹے (محمدؐ) کی خاطر جھیلنا ہیں۔
ہر زندہ شخص کو موت کا مزا چکھنا ہے خواہ وہ بڑی عمر پا کر ناکارہ ہو گیا ہو۔

علیؑ نے اپنے باپ کو جواب دیا:

کیا آپ مجھے احمد پیغمبرؐ کی مدد کرنے میں صبر اور ثابت قدمی کا حکم دے رہے ہیں؟ جب کہ میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جو کچھ میں نے کہا وہ خوف کی وجہ سے نہ تھا لیکن میں چاہتا تھا کہ آپ میری اس مددگاری پر غور کریں اور جان جائیں کہ میں ہمیشہ آپ کا مطیع اور

فرمانبردار ہوں، جلد ہی ایسا ہوگا کہ میں ۔۔۔ لڑکپن اور جوانی میں قابل تعریف اور پیغمبر ہدایت ۔۔۔ احمدؐ کی مدد میں جان لڑا دوں گا۔ [1]

علامہ امینی کہتے ہیں:

بلاشبہ قرابت اور رشتہ داری ایک مقررہ حد تک حمایت اور نصرت کا جذبہ پیدا کرتی ہے، لیکن جب نوبت علیؑ جیسے فرزند کو قربان کرنے تک پہنچتی ہے جو ان کے باپ (ابوطالبؑ) کے لیے ایک قیمتی متاع ہے۔ اس مرحلے پر قربانی کا معاملہ ختم ہو جاتا ہے اور اس کا کوئی موقع نہیں رہتا۔ پھر باپ کے لیے یہ امر آسان نہیں ہوتا کہ وہ اپنے بیٹے کو ہر رات قتل گاہ میں بھیجے اور اسے اپنے بھتیجے کی جگہ سلائے۔ ہاں یہ صرف اس صورت میں ممکن ہے کہ جب اس میں دینی جذبے کا دخل ہو۔ یہی وہ بات ہے جس سے ابوطالبؑ کے دین حنیف پر ایمان لانے اور اس کے سامنے سر جھکا دینے کا ثبوت ملتا ہے۔ نیز ان باپ بیٹے کی مذکورہ بالا شعری گفتگو سے بھی اسی چیز کا اظہار ہوتا ہے۔ گویا کہ بیٹا رسول اکرمؐ کی نبوت کا کھلے بندوں اقرار کرتا ہے اور باپ اس بات سے انکار نہیں کرتا۔ وہ ایسا بھی نہیں سمجھتا کہ اس کے بیٹے کی یہ جاں نثاری اور ہلاکت پسندی فقط رشتہ داری کے مضبوط بندھن کی وجہ سے ہے بلکہ وہ جانتا ہے کہ نسبی تعلق ایسا محرک نہیں ہے جو اس کے بیٹے میں محمدؐ کی مدد کرنے کا

---

[1] ابن ابی الحدید: شرح نہج البلاغہ جلد ۳ صفحہ ۳۱۰ - ابوعلی علوی: الحجۃ صفحہ ۶۹

اہل ارادہ پیدا کرے اور نصرت کے جذبے کو ابھار سکے۔ (پس اس باپ (ابوطالبؑ) اور اس بیٹے (علیؑ) پر خدا کی رحمت ہو)۔

ابوطالبؑ اور ابن زبعری

سیرۃ نویس روایت کرتے ہیں: ایک دن رسول اکرمؐ نماز کے لیے کعبہ میں گئے۔ جب آپ نماز میں کھڑے ہوگئے تو ابوجہل نے کہا: کون ہے جو اس شخص (رسول اکرمؐ) کی طرف جائے اور اس کی نماز کو درہم برہم کردے؟ اس پر ابن زبعری نامی ایک شخص اٹھا، کچھ خون اور گوبر ہاتھ میں لیا اور رسول اکرمؐ کے چہرے پر مل دیا۔ آنحضرتؐ نے نماز سے توجہ ہٹائی، اپنے چچا ابوطالبؑ کے پاس آئے اور فرمایا: چچا جان! کیا آپ نہیں دیکھتے کہ ان لوگوں نے میرے ساتھ کیا سلوک کیا ہے؟

ابوطالبؑ نے پوچھا: کون ہے جس نے ایسا کیا ہے؟

آنحضرتؐ نے بتایا: عبداللہ ابن زبعری نے۔

ابوطالبؑ اٹھے، تلوار کھینچ لی اور رسول اکرمؐ کے ہمراہ ان لوگوں کے پاس پہنچے۔ جب انہوں نے ابوطالبؑ کو دیکھا تو اٹھ کھڑے ہوئے۔ لیکن انہوں نے ڈانٹتے ہوئے کہا: خدا کی قسم! اگر تم میں سے کوئی اٹھا تو میں اس تلوار سے اسے ڈھیر کردوں گا۔

یہ سن کر، لوگ اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ گئے، حتیٰ کہ ابوطالبؑ ان کے نزدیک آئے اور آنحضرتؐ سے پھر پوچھا: میرے جان و جگر! تمہارے ساتھ یہ سلوک کس نے کیا ہے؟

رسول اکرمؐ نے فرمایا: عبداللہ ابن زبعری نے۔

تب ابوطالبؑ نے کچھ خون اور گوبر اٹھا کر ان لوگوں کے چہروں، ڈاڑھیوں اور کپڑوں پر مل دیا اور انہیں سخت سست کہا۔[1]

اس واقعہ کی تفصیل اور اس میں ابوطالبؑ کے کردار کا ذکر اہل سنت کی ایک سے زیادہ کتابوں میں ملتا ہے، جو ذاتی اغراض اور دوسرے اسباب کی بنا پر اب تحریف اور تغیر کا شکار ہوگئی ہیں۔ انشاء اللہ ہم قارئین کو اس واقعہ کی حقیقت کے بارے میں "ابوطالبؑ قرآن کے نقطۂ نگاہ سے" کے عنوان کے تحت آگاہ کریں گے۔

ہمارے سردار ابوطالبؑ کا قریش سے برتاؤ

ابن اسحاق لکھتا ہے:

جب رسول اکرمؐ نے اپنی قوم کے سامنے اسلام کا اعلان کیا اور خدائے تعالیٰ کے حکم سے ان کو اس کی دعوت دی تو جہاں تک مجھے علم ہوا ہے ان کے رشتہ دار ان سے دور نہیں ہوئے۔ ان لوگوں نے آپ پر اس وقت تک کوئی اعتراض نہیں کیا، جب تک آنحضرتؐ نے ان کے بتوں کا نام نہیں لیا اور ان کی مذمت نہیں کی۔ لیکن جب رسول اکرمؐ نے بتوں کو برا بھلا کہا تو یہ بات ان پر سخت گزری اور وہ آپ کی مخالفت اور عداوت

[1] تفسیر قرطبی صفحہ ۴۰۶

میں متحد ہو گئے۔ ان میں سے چند گمنام اشخاص ایسے تھے کہ خدائے تعالیٰ نے اسلام کے وسیلے سے ان کی حفاظت کی اور دشمنی سے باز رہے۔ اس وقت ابو طالبؑ کو رسول اکرمؐ کے حال پر رنج ہوا، وہ آنحضرتؐ کا دفاع کرنے لگے اور پھر اتنے جوش اور امید کے ساتھ اس کام میں لگے کہ کوئی مشکل آپ کو اس سے باز نہ رکھ سکی۔

ابن اسحاق مزید کہتا ہے:

جب قریش نے ابو طالبؑ سے شکایت کی کہ رسول اکرمؐ ان کے خداؤں کو بُرا بھلا کہتے ہیں تو وہ آنحضرتؐ کے پاس آئے اور کہا: میرے بھتیجے! تمہاری قوم کے لوگ میرے پاس آئے اور انہوں نے یہ باتیں کی ہیں۔ مناسب ہو گا کہ تم مجھ پر اور اپنے آپ پر رحم کرو اور کسی ایسے کام میں نہ پڑو جس کا سنبھالنا میری طاقت سے باہر ہو۔ رسول اکرمؐ کو خیال ہوا کہ ان کے چچا نے ان کے بارے میں شاید اپنی رائے بدل دی ہے۔ یعنی وہ انہیں قریش کے سپرد کرنا چاہتے ہیں اور اب وہ اس قابل نہیں رہے کہ ان کی مدد کریں اور ان کا ساتھ دے سکیں۔ یہ سوچ کر آپ نے فرمایا:

"خدا کی قسم! اگر یہ لوگ میرے داہنے ہاتھ پر **سورج** اور بائیں ہاتھ پر **چاند** بھی لا کر رکھ دیں تاکہ میں اپنا مشن ترک کر دوں تو بھی میں ایسا نہیں کروں گا۔ حتیٰ کہ خدا اس دین کی پشت پناہی کرے یا میں اس راستے میں نابود ہو جاؤں۔"

پھر آنحضرتؐ غمگین ہو گئے اور رو پڑے۔ ازاں بعد آپ اٹھ کھڑے ہوئے اور باہر جانے لگے۔ ابو طالبؑ نے انہیں آواز دی اور کہا:

"اے میرے بھتیجے! واپس آؤ۔"

رسول اکرمؐ پلٹ کر آئے تو ابو طالبؑ نے کہا:

"میرے بھتیجے! جاؤ اور جو تمہارا جی چاہے کہو، خدا کی قسم! میں تمہیں ہرگز ان لوگوں کے سپرد نہیں کروں گا!"

جب قریش کو یہ پتہ چلا کہ ابو طالبؑ، رسول اکرمؐ کو ان کے سپرد کرنے پر تیار نہیں ہیں، بلکہ انہوں نے ان سے الگ ہو جانے اور مقابلہ کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے تو وہ عمارہ بن ولید بن مغیرہ کو ان کے پاس لائے اور کہا: اے ابو طالبؑ! یہ عمارہ بن ولید قریش کے ممتاز اور خوبصورت جوانوں میں سے ہے۔ تم اس کی ذہانت اور حمایت سے فائدہ اٹھاؤ اور اسے اپنا بیٹا بنا لو تاکہ اس کا تعلق تم سے ہو جائے اور اس کے بدلے میں اپنے بھتیجے کو ہمارے سپرد کر دو، اس بھتیجے کو جو تمہارے اور تمہارے باپ دادا کے دین کا دشمن ہے۔ جس نے تمہاری قوم کا باہمی اتحاد تباہ کر دیا ہے اور اب ان کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا ہے۔ ہاں یہ تو ایک شخص کو دوسرے شخص سے تبدیل کرنے کا معاملہ ہے (اور اس میں کوئی حرج نہیں) اس لیے تم **محمدؐ** کو ہمارے حوالے کر دو تاکہ ہم اسے **قتل** کر ڈالیں۔

ابو طالبؑ نے کہا: خدا کی قسم! جس چیز کی تم مجھ سے توقع رکھتے ہو وہ بہت ہی بُری ہے۔ کیا تم اپنے فرزند کو اس لیے میرے

سپرد کر رہے ہو کہ میں اس کی پرورش کروں اور اپنا فرزند تمہیں دے دوں تاکہ تم اسے قتل کر دو؟ خدا کی قسم! یہ مجھ سے ہرگز نہ ہو گا۔

مطعم بن عدی بن نوفل نے کہا: اے ابوطالبؑ! خدا کی قسم! قوم کے لوگ تمہاری خدمت کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ان کی کوشش یہ ہے کہ تم جس چیز کو پسند نہیں کرتے وہ اس سے تمہیں نجات دلا دیں۔ اس لیے بہتر ہے کہ تم قوم کی اس تجویز کو قبول کر لو۔

ابوطالبؑ نے جواب دیا: خدا کی قسم! قوم (قریش) کے لوگ میری خدمت کرنے کا ارادہ نہیں رکھتے اور تمہارا بھی بجز مجھے خفیف کرنے اور ان لوگوں کی مدد کرنے کے کوئی اور مقصد نہیں ہے۔ پس جاؤ اور جو کچھ بھی تم سے بن پڑتا ہے، تم بھی کر لو۔

اس پر بات بڑھ گئی، ان کی زبانیں ایک دوسرے کو بُرا بھلا کہنے لگیں، وہ ایک دوسرے کے بالمقابل اٹھ کھڑے ہوئے اور جنگ کی آگ بھڑکنے لگی۔ اس وقت خاص کر مطعم بن عدی اور پھر قبیلہ عبد مناف کا وہ گروہ جو انھیں خفیف کرنے کے درپے تھا، نیز قریش کا وہ ٹولہ جو ان سے دشمنی رکھتا تھا، ان سب کو مخاطب کرتے اور ان لوگوں کی پیش کی ہوئی تجویز کو قبول کرنے سے انکار کرتے ہوئے ابوطالبؑ نے یہ اشعار کہے:

ہاں اے لوگو! ذرا عمرو، ولید اور مطعم سے کہہ دو کہ

اے کاش! تم ایسے بوتوں[1] کا پالنا میرے لیے مفید ہوتا

---

[1] بوتہ: اونٹ کا نر بچہ

تم وہ بوتے ہو جن کے پیشاب کے قطرے ابھی تک ان کی پنڈلیوں پر گر رہے ہیں۔

اور تم تو بس کم ہمت، کمزور اور بڑھ چڑھ کر باتیں بنانے والے ہو

میرا روئے سخن بالخصوص "عبد شمس" اور "نوفل" کی طرف ہے

انہوں نے ہمیں اس طرح دور پھینک دیا جیسے آگ سے چنگاری گرتی ہے۔

میرا روئے سخن "تیم" "مخزوم" اور "زہرہ" قبیلوں کی طرف بھی ہے۔

جو ہماری ریاست کے آغاز میں ہمارے غلام اور خدمتگار تھے۔

خدا کی قسم! دشمنی اور کینہ اس وقت تک ختم نہیں ہو گا۔

جب تک ہماری تمہاری نسل سے ایک ایک شخص بھی باقی ہے

بلاشبہ ان کے بڑے بوڑھوں کی عقل کسی کم سن لڑکے کی طرح ہو گئی۔

اور ایک کمسن لڑکے کی سوچ کیا ہی ناقص ہوتی ہے۔

ابن اسحاق کہتا ہے کہ میں نے ان میں سے دو ایسے اشعار حذف کر دیے ہیں، جن میں ابوطالبؑ نے ان لوگوں کو دشنام دی ہے۔ جبکہ علامہ امینی کہتے ہیں: ابن اسحاق نے تین اشعار حذف کر دیے ہیں اور یہ بات پوشیدہ نہیں کہ ایسا کرنے میں اس کا خاص مقصد کیا ہے؟

بلکہ انسان تو اپنے اوپر گواہ ہے، اگرچہ وہ (گناہ کا) عذر پیش کرتا رہے۔ (سورۂ قیامت۔ آیت ۱۴-۱۵)

جوتین اشعار ابن اسحاق نے حذف کیے وہ یہ ہیں :

اور کینہ سوائے اس بزرگواری اور سرداری کے کسی چیز کے لیے نہیں ہے۔

جو خدا نے ہم سے مخصوص فرمائی اور یہ ہمارے لیے مایۂ افتخار ہے کہ اس نے ہمیں اس کے لیے چنا۔

وہ لوگ جو حسد اور گہری دشمنی کی بنا پر عزت والوں کے مقابل ہوئے ان کے درمیان ہمیشہ کینہ حاکم رہا ہے۔

ان میں سے ایک "ولید" ہے جس کا باپ ہمارے دادا کا غلام ہے جو سحر کے وقت موٹے موٹے گدھوں کو چرنے کے لیے چراگاہ کی طرف لے جاتا تھا۔

ولید سے مراد وہی ولید بن مغیرہ ہے جو رسول اکرمؐ کا مذاق اڑاتا تھا۔ وہی ابوطالبؑ کے پاس گیا تھا تاکہ آنحضرتؐ کا قریش کے ایک نوجوان سے تبادلہ کر لیں۔ تب اس کے بارے میں قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی:

یعنی (اے رسولؐ!) تم مجھے اور اس شخص کو نبٹ لینے دو
جسے میں نے اکیلا پیدا کیا۔ [1]

---

۱ سورۂ مدثر۔ آیت ۱۱ + یہ آیت ولید بن مغیرہ کی مذمت میں نازل ہوئی، اس کے قبیلے والے اسے 'وحید' کہا کرتے تھے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے : روض الانف جلد ۱ صفحہ ۱۷۳ + ابن اثیر: الکامل جلد ۲ صفحہ ۴۴۳ + تفسیر خازن جلد ۴ صفحہ ۳۴۵

ابن اسحاق مزید کہتا ہے :

جب ابوطالبؑ نے دیکھا کہ قریش ایسا برتاؤ کر رہے ہیں تو وہ بنی ہاشم اور بنی مطلب کے درمیان اٹھ کھڑے ہوئے اور انھیں رسول اکرمؐ کی حمایت کرنے اور ان کے پہلو بہ پہلو قیام کرنے کو کہا۔ اس پر ــــ خدا کے ملعون دشمن **ابو لہب** کے سوا ــــ ان سبھی نے ان کی دعوت قبول کی، ان کے گرد جمع ہو گئے اور ان کے ساتھ مل کر قیام کیا جب ابوطالبؑ نے اپنے ان اقرباء کی کوشش اور اطاعت دیکھی جو ان کی خوشی کا موجب بنی تو انہوں نے ان کی تعریف کی اور انہیں ان کے گزشتہ کارنامے یاد دلائے۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے رسول اکرمؐ کی برتری کا ذکر کیا اور ان کے درمیان آنحضرتؐ کو جو حیثیت حاصل تھی وہ بھی ان کو بتائی۔ یہ سب کچھ انہوں نے اس لیے کیا تاکہ ان کی اس رائے کو پختہ کر دیں اور وہ لوگ بھی ان کے ساتھ ہو کر رسول اکرمؐ کی نبوت پر ایمان لے آئیں۔ اس وقت انہوں نے یہ اشعار کہے :

اگر تمام قریش ایک دن اپنی بڑائی دکھانے اور اپنے افتخارات گنانے کے لیے جمع ہوں۔

تو ان میں سب سے نیک نام اور سخی بنی عبد مناف ہوں گے
اور اگر بنی عبد مناف کے سردار بھی جمع ہو جائیں۔

تو ان میں سب سے زیادہ شریف اور ذی مرتبہ بنی ہاشم ہوں گے۔

اور اگر ایک دن بنی ہاشم بھی فخر کریں تو انہیں محمدؐ پر فخر کرنا چاہیے

کیونکہ وہ ان میں سب سے زیادہ پاک دل اور سخی ہے، نیز خدا کا چنا ہوا ہے۔[1]

قریش کا عہدنامہ اور ابوطالبؑ

قبائل قریش جمع ہوئے اور انہوں نے طے کیا کہ باہم ایک عہدنامہ لکھیں کہ جس کی رو سے وہ بنی ہاشم اور بنی مطلب کے خلاف متحد ہو جائیں۔ نیز یہ عہد کریں کہ ان کے ساتھ شادی بیاہ اور کوئی لین دین نہیں کریں گے۔ اس کے علاوہ ان کی طرف سے صلح کی کوئی تجویز قبول نہیں کریں گے اور ان پر ترس نہیں کھائیں گے۔ وہ اس عہد پر قائم رہیں گے تاوقتیکہ بنی ہاشم رسول اکرمؐ سے علیحدگی اختیار نہ کریں اور انہیں قتل کرنے کے لیے ان کے سپرد نہ کر دیں۔

یہ سب باتیں ایک عہدنامے کی شکل میں لکھی گئیں جو منصور بن عکرمہ

[1] ابن ہشام: سیرت جلد۱ صفحہ ۲۷۵-۲۸۳ + ابن سعد: طبقات جلد۸ صفحہ ۱۸۶ + طبری: تاریخ جلد۲ صفحہ ۲۱۸ تا ۲۲۱ + دیوان ابوطالبؑ صفحہ ۲۴ + روض الانف جلد۱ صفحہ ۱۸۱-۱۸۲ + ابن ابی الحدید: شرح نہج البلاغہ جلد۳ صفحہ ۳۰۶ + ابن کثیر: تاریخ جلد۲ صفحہ ۱۲۶-۲۵۸، جلد۳ صفحہ ۴۲-۴۸-۴۹ + عیون الاثر جلد۱ صفحہ ۹۹-۱۰۰ + ابی الفداء: تاریخ جلد۱ صفحہ ۱۱۷ + سیرۃ حلبیہ جلد۱ صفحہ ۳۰۶ + طلبۃ الطالب صفحہ ۵ تا ۹ + اسنی المطالب صفحہ ۱۵ (اس میں کہا گیا ہے کہ ابوطالب کے یہ اشعار انکے آنحضرتؐ کی نبوت کی تصدیق کرنے کا ثبوت ہیں)۔

نے تحریر کیا اور اس کی ایک نقل کعبہ میں لٹکا دی گئی۔[1] قریش کا یہ اجتماع خیف بن کنانہ میں ہوا جو ایک رتیلا میدان تھا۔

اس واقعہ کے بعد ابولہب کے علاوہ جو قریش کے ساتھ ہو گیا، تمام بنی ہاشم اور بنی مطلب ـــــ ابوطالبؑ کے ہاں جمع ہوئے اور ان کے ساتھ ایک وادی میں چلے گئے۔ جہاں وہ دو سال تک اور بقولے تین سال تک رہے۔ اس وادی میں انہوں نے پوری ثابت قدمی دکھائی۔ یہاں تک کہ خشک گھاس اور درختوں کے پتے چبا کر گزارہ کرتے رہے۔

ابن کثیر لکھتا ہے:

اس وادی میں قیام کے دوران ابوطالبؑ ـــــ رسول اکرمؐ کا خاص خیال رکھتے تھے۔ وہ ہر رات ان کے سرہانے کھڑے ہو جاتے تاکہ دشمنوں کے برے ارادے اور ان کے کسی ممکنہ حملے کو روک سکیں۔

پھر جب سبھی لوگ سو جاتے تو وہ اپنے بیٹوں اور بھائیوں میں سے کسی ایک کو حکم دیتے کہ وہ رسول اکرمؐ کے بستر میں سوتے اور آنحضرتؐ سے کہتے کہ وہ اس شخص کے بستر میں سو جائیں۔

ایک مدت کے بعد خدائے تعالیٰ نے اپنے پیغمبرؐ پر وحی نازل کی کہ عہدنامے کے وہ تمام الفاظ کہ جن میں ظالمانہ شرائط لکھی گئی تھیں انہیں دیمک

[1] قریش کا یہ منحوس عہدنامہ محرم ۷ بعثت میں منصور بن عکرمہ، بغیض بن عامر، نضر بن حرث، ہشام بن عمرو، طلحہ بن ابی طلحہ اور منصور بن عبد سمیت چھ افراد میں سے کسی ایک نے تحریر کیا تھا۔

نے چاٹ لیا ہے اور فقط **اللّٰہ** کا نام باقی رہ گیا ہے۔

آنحضرتؐ نے اس امر کی اطلاع ابوطالبؑ کو دی تو انھوں نے پوچھا: میرے بھتیجے! کیا تمہیں اس معاملے سے تمہارے پروردگار نے آگاہ کیا ہے؟

رسول اکرمؐ نے جواب دیا: "جی ہاں!"

تب ابوطالبؑ نے کہا: ٹوٹتے ستاروں کی قسم! تم نے مجھ سے ہرگز جھوٹ نہیں کہا۔

اس کے بعد ابوطالبؑ ـــــ بنی ہاشم اور بنی مطلب کے ایک گروہ کو لے کر اس وادی سے روانہ ہو گئے، حتیٰ کہ مسجد الحرام میں جا پہنچے۔ قریش کو یہ دیکھ کر بڑا تعجب ہوا اور وہ سمجھے کہ یہ لوگ شدید تکالیف کے مارے وادی سے باہر آ گئے ہیں اور **محمدؐ** کو ہمارے حوالے کرنا چاہتے ہیں۔ مگر ابوطالبؑ نے کہا: اے قریش! ہمارے تمہارے درمیان کچھ ایسے مسائل پیدا ہو گئے ہیں جن کی تمہارے عہدنامے میں خاطر خواہ نشاندہی نہیں کی گئی۔ اس لیے تم اپنا عہدنامہ لے آؤ، ہو سکتا ہے کہ ہماری تمہاری صلح ہو جائے۔

یہ بات انھوں نے اس ڈر سے کہی کہ کہیں وہ لوگ عہدنامہ لانے سے پہلے ہی اسے دیکھ نہ لیں اور اس کی حقیقت ان پر واضح نہ ہو جائے۔ ادھر قریش کو اب اس بارے میں کوئی شک نہ تھا کہ ابوطالبؑ اپنے بھتیجے (محمدؐ) کو ان کے حوالے کر دیں گے۔ یہی وجہ تھی کہ انھوں نے عہدنامہ اپنے پاس رکھا اور اسے کھولنے سے پہلے ابوطالبؑ سے کہا: کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ تم نے اپنے اور ہمارے درمیان جو بگاڑ ڈال رکھا ہے اس سے باز آ جاؤ؟

ابوطالبؑ نے جواب دیا: میں تمہارے سامنے ایک تجویز پیش کرتا ہوں جو ہمارے تمہارے درمیان انصاف کر دے گی۔ میرے بھتیجے (محمدؐ) نے مجھے ایک خبر دی ہے اور مجھے یقین ہے کہ اس نے جھوٹ نہیں بولا، وہ خبر یہ ہے:

خدائے تعالیٰ نے تمہارے عہدنامے پر ایک کیڑے کو مسلّط کیا، جس نے اللہ کے نام کے علاوہ اس کا کوئی لفظ باقی نہیں چھوڑا۔ اگر صورتِ حال ایسی ہی ہو، جیسا کہ محمدؐ نے دعویٰ کیا ہے تو تمہیں چاہیے کہ اپنے کام سے ہاتھ کھینچ لو۔ کیونکہ ان حالات میں ہم اسے تمہارے حوالے نہیں کریں گے، مگر یہ کہ ہمارا آخری فرد تک مارا جائے۔ تاہم اگر معاملہ اس سے مختلف ہوا اور جو کچھ میرے بھتیجے نے کہا ہے وہ غلط ہو تو ہم اسے تمہارے حوالے کر دیں گے، پھر تمہیں اختیار ہو گا کہ اسے قتل کر دو یا زندہ رہنے دو۔

قریش نے کہا: ہمیں منظور ہے۔ لیکن جب وہ عہدنامہ کھولا گیا تو معلوم ہوا کہ جو کچھ رسول اکرمؐ نے فرمایا وہ درست ہے۔ اس کے باوجود بھی وہ ضد کی بنا پر کہنے لگے: "یہ کام تمہارے بھتیجے کے **جادو** کا نتیجہ ہے۔" بلکہ یہ بات ان کے غصے اور دشمنی میں اضافے کا موجب بن گئی۔ جب قریش نے دیکھ لیا کہ اصلیت وہی ہے جس کی رسول اکرمؐ نے خبر دی ـــــ تو ابوطالبؑ نے انہیں مخاطب کرتے ہوئے کہا: ہاں تو اب ہم کس بنا پر محاصرے اور قید میں رہیں، جبکہ یہ ثابت ہو گیا ہے کہ خود تم لوگ ہی اس

لائق ہو کہ تم سے قطع تعلق کیا جائے اور تم پر سختی کی جائے۔

پھر آپ اپنے ہمراہیوں سمیت خانہ کعبہ کے پردوں کے درمیان پہنچے اور کہا: اے پروردگار! ہمیں اس شخص پر فتح نصیب کر جس نے ہم پر ظلم روا رکھا، ہم سے رشتہ داری کے تعلقات توڑ دیے اور جو باتیں ناشائستہ تھیں وہ اس نے ہمارے لیے مناسب سمجھیں۔

اس واقعہ کے بعد قریش کا ایک گروہ اس عہدنامے کی مخالفت اور اس کی شرائط کو توڑ دینے پر تل گیا۔ اس پر ابو طالبؑ نے یہ اشعار کہے:

کیا خدائے تعالیٰ کے اس عظیم نشان کی خبر ہمارے سمندر کے راستے جانے والے مہاجروں تک پہنچی ہے؟ [1]

وہ عظیم نشان جو ان کے دفاع اور حفاظت کے لیے ظاہر ہوا کیونکہ خدا لوگوں پر مہربان ہے۔

ان کے لیے وہ بڑی خبر یہ ہے کہ قریش کا عہدنامہ پارہ پارہ ہو گیا

اور جس عمل کو خدا کی رضا حاصل نہ ہو اس میں خرابی ہی خرابی ہے

وہ عہدنامہ محض جھوٹ، دھوکا اور جادو کی پوٹ تھا۔

اور ہر جادو اپنا مقصد حاصل کرنے سے پہلے فنا ہو جاتا ہے

ہاں! اپنی شخصیت، اپنے باپ دادا اور خاندان کے لحاظ سے بڑا آدمی

احمدؐ ہی ہو گا، جبکہ لوگوں میں سے بڑے آدمیوں کو گنا جائے

وہ خدا کا پیغمبر اور سخی و شجاع خاندان سے ہے۔

[1] یہ ان مہاجر مسلمانوں کی طرف اشارہ ہے جو سمندر کے راستے حبشہ گئے تھے۔

اس کے اخلاق اچھے ہیں، وہ صاحبِ کمال ہے اور اسے خدا کی تائید حاصل ہے۔

وہ بڑے معرکوں میں شجاع ہے، جیسا کہ تمہیں علم ہے۔

وہ ایک چمکتا ستارہ ہے جو روشنی بکھیرتا ہے۔

دوسرے قبیلوں نے ہمارے کارناموں میں کب شرکت کی ہے؟

اور حالانکہ ہم نے بہت پہلے سے باہم دوستی کا پیمان باندھ رکھا ہے

اور ہم ایک مدت سے ظلم سہنے پر کبھی تیار نہیں ہوئے۔

اور ہم جو کچھ چاہیں وہ سختی اور زبردستی کے بغیر حاصل کر لیتے ہیں

اے قصی بن کلاب کے فرزندو! کیا تم ہوش و حواس میں ہو؟

اور کیا تم اس کی کچھ خبر رکھتے ہو جو کل تمہیں پیش آنے والا ہے؟

یہ جان لو کہ میں اور تم اس شخص کی طرح ہیں جس نے کہا:

اے کوہ اسود! تیری زبان ہوتی تو بتاتا کیونکہ کوئی اور گواہ نہیں ہے [1]

[1] ابن سعد: طبقات جلد ۱ صفحہ ۱۷۳-۱۹۲ + ابن ہشام: سیرۃ جلد ۱ صفحہ ۳۹۹ تا ۴۰۴ + ابن قتیبہ: عیون الاخبار جلد ۲ صفحہ ۱۵۱ + تاریخ یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۲۲ + استیعاب جلد ۲ صفحہ ۵۷۰۔ حالات سہل بن بیضاؓ + صفت الصفوۃ جلد ۱ صفحہ ۲۵۲ + روض الانف جلد ۱ صفحہ ۲۳۱ + بغدادی: خزانۃ الادب جلد ۱ صفحہ ۲۵۲ + ابن کثیر۔ تاریخ جلد ۳ صفحہ ۸۴-۹۶-۹۷ + عیون الاثر جلد ۱ صفحہ ۱۲۷ + خصائص الکبریٰ جلد ۱ صفحہ ۱۵۱ + دیوان ابو طالبؑ صفحہ ۱۳ + سیرۃ حلبیہ جلد ۱ صفحہ ۳۵۷ تا ۳۶۷ + دحلان: سیرۃ جلد ۱ صفحہ ۲۸۶ تا ۲۹۰ + طلبۃ الطالب صفحہ ۹-۱۵-۲۲ ←

قریش کے اس عہدنامے کے بارے میں ابن اثیر لکھتا ہے:

اس عہدنامے، اس کے ظالمانہ مضامین اور اس کو دیمک کے چاٹ لینے کے متعلق ابوطالبؑ نے کچھ اشعار کہے کہ ان میں سے چند ایک یہ ہیں:

بلاشبہ عہدنامے کے اس واقعہ میں عبرت اور نصیحت ہے۔

اور جب قوم کے غیر حاضر لوگوں کو پتا چلے گا تو وہ تعجب کریں گے۔

خدائے تعالیٰ نے اس عہدنامے میں سے ان کے کفر اور ناشکرے پن کی باتوں کو نابود کردیا۔

اور قریش کی ان مخالفانہ باتوں کو جو انہوں نے سچے پیغمبر کے بارے میں لکھی تھیں۔

پس انہوں نے جو بات کہی تھی وہ غلط ثابت ہو گئی
اور جو کوئی ناحق باتیں بنائے وہ یکسر جھوٹا ہے [1]

وقتِ وفات ابوطالبؑ کی

قریش کو نصیحت

کلبی کہتا ہے:

جب ابوطالب کا وقتِ وفات قریب آپہنچا تو قریش کے سرآوردہ

اسنی المطالب صفحہ ۱۱ تا ۱۳

[1] ابن اثیر۔ الکامل جلد ۲ صفحہ ۳۶

اشخاص ان کے گرد جمع ہو گئے، تب انہوں نے وصیت کرتے ہوئے کہا:

اے قریش! تم خدا کی مخلوق میں سے برگزیدہ گروہ اور سرزمین عرب کے کارپرداز ہو۔ تمہارے درمیان ایک قابل اطاعت پیشوا، دلاور سردار اور عفو و درگزر کرنے والا ہادی (محمدؐ) موجود ہے۔ تم جانتے ہو کہ عربوں میں کوئی ایسا افتخار اور بڑائی کا نشان نہیں ہے جو تم نے حاصل نہ کیا ہو نیز کوئی ایسا شرف اور بزرگواری نہیں کہ جو تم نے نہ پائی ہو۔ اسی بنا پر تم دوسرے عربوں سے برتر ہو اور اسی لیے وہ لوگ اپنے معاملات میں تم سے رجوع کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ تمہارے ساتھ جنگ بھی کرتے ہیں اور تمہارے مقابلے پر آپس میں اتحاد کرتے ہیں۔

پس سن لو کہ میں تمہیں اس عمارت (کعبہ) کے احترام کی وصیت کرتا ہوں، کیونکہ اس میں خدائے تعالیٰ کی خوشنودی، اقتصادی اور معاشی استحکام اور مصیبت کے وقت تمہاری ثابت قدمی کا راز پوشیدہ ہے۔

اپنے رشتہ داروں سے وابستہ رہو اور ان سے اپنا تعلق نہ توڑو کیونکہ صلۂ رحم طول عمر کا موجب بنتا ہے اور اس سے افراد قبیلہ کی تعداد میں اضافہ ہوتا ہے۔

اپنے بڑے لوگوں کے بارے میں ناشکرگزاری اور ان پر زیادتی کرنا چھوڑ دو، کیونکہ یہی دونوں چیزیں اگلے لوگوں کی ہلاکت کا سبب بنی تھیں۔

دعوت دینے والے کی دعوت قبول کرو اور سائل جو چیز مانگے اسے دیدو، کیونکہ زندگی میں اور موت کے بعد کی بڑائی بھی اسی میں ہے۔

ہمیشہ سچ بولو اور امانت میں خیانت نہ کرو، کیونکہ یہ طریقہ

اعزہ واقربا میں محبت پیدا کرتا ہے اور عوام الناس میں بزرگواری حاصل ہونے کا موجب ہے۔

میں تمہیں محمدؐ کے ساتھ بھلائی کرنے کی نصیحت کرتا ہوں کیونکہ وہ قریش میں سب سے بڑھ کر امانتدار (امین) اور سارے عرب میں سب سے بڑے راستگو (صادق) ہیں، نیز ان میں وہ تمام خصوصیات موجود ہیں کہ جن کی میں نے تمہیں وصیت کی ہے۔ وہ ہمارے لیے ایسی دعوت اور ایسا پیغام لائے ہیں کہ جسے دل اور روح قبول کرتے ہیں، لیکن زبان بدگو لوگوں کے خوف سے انکار کرتی ہے۔ خدا کی قسم! یوں لگتا ہے جیسے میں دیکھ رہا ہوں کہ عرب کے محنت کشوں، صحرانشینوں اور بے کس لوگوں نے محمدؐ کی دعوت پر لبیک کہا، ان کے قول کی تصدیق کی ـــــ ان کی نبوت کا احترام کیا اور انہیں موت کی سختیاں سہنی پڑی ہیں۔

نیز ان کے اس طرز عمل سے قریش کے بزرگ اور رئیس ان کے مقابلے میں کمتر اور پست ہو گئے، ان کے گھر ویران ہو گئے اور ان میں سے کمزور لوگ سرداری کے رتبے کو پہنچ گئے۔ یہی وہ وقت ہوگا جب کہ ان میں جو سب سے بڑا ہوگا وہ رسول اکرمؐ کا سب سے زیادہ محتاج ہوگا اور جو ان میں سب سے کمزور ہوگا وہ ان سے کچھ زیادہ فائدے اٹھائے گا۔ کیونکہ وہ اپنی عرب دوستی اور محبت کو براہ راست محمدؐ کے لیے خاص کر دے گا، اپنے دل کو ان کے لیے پاک صاف کرے گا اور ان کو اپنا ہادی قرار دے گا۔

اے قریش ـــ خبردار! ہاں اپنے بھائی عبداللہ کے بیٹے محمدؐ

کے بارے میں خبردار رہو ــــ اس سے محبت رکھو اور اس کی جماعت (مسلمین) کے حامی رہو۔

خدا کی قسم! جو شخص اس کی راہ پر چلتا ہے وہ ہدایت پاتا ہے اور جسے اس سے ہدایت مل جائے وہ سعادتمند بن جاتا ہے۔ ہاں تو اگر میری زندگی کچھ بڑھ جاتی اور میری موت میں تاخیر ہو جاتی تو میں آنیوالی سختیوں اور مصیبتوں میں محمدؐ کا حامی اور مددگار رہتا۔ [1]

علامہ امینی کہتے ہیں:

یہ وصیت جو ایمان اور ہدایت سے لبریز ہے، اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ ابوطالبؑ نے زبان سے رسول اکرمؐ کی تصدیق کو اپنی قوم کی بدگوئی کے خوف سے زندگی کے آخری لمحات تک ملتوی کر دیا تھا۔ کیونکہ یہ بات مسلمانوں پر ان لوگوں کے شدید حملے اور ان میں کمزوری اور انتشار پیدا کرنے کا موجب بن سکتی تھی۔ نیز اگر ایسے حوادث وقوع پذیر ہوتے تو ابوطالبؑ کے لیے آنحضرتؐ کا دفاع کرنا ممکن نہ ہوتا۔ اگرچہ پہلے دن سے ہی رسول اکرمؐ کی رسالت پر ایمان ان کے قلب و روح میں جاگزیں ہو گیا تھا، لیکن جب ان کی موت کا وقت آ پہنچا اور مذکورہ بالا مصلحت اندیشی

---

[1] روض الانف جلد ۱ صفحہ ۲۵۹ + مواہب لدنیہ جلد ۱ صفحہ ۷۲ + تاریخ الخمیس جلد ۱ صفحہ ۳۳۹ + ثمرات الاوراق جلد ۲ صفحہ ۹ + بلوغ الارب جلد ۱ صفحہ ۳۲۷ + سیرۃ حلبیہ جلد ۱ صفحہ ۳۷۵ + دحلان: سیرۃ جلد ۱ صفحہ ۹۲ + اسنی المطالب صفحہ ۵۔

کی کوئی ضرورت نہ رہی تو وہ جس کو ان کے وجود کے بند بند نے قبول کر لیا تھا، اسکو وہ اپنی زبان پر بھی لے آئے اور اپنی جاودانی وصیت کے ذریعے رسول اکرمؐ کے بارے میں وہ سفارشات کیں جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔

وقتِ وفات ابوطالبؑ کی

اپنے خاندان کو وصیت

ابن سعد اپنی کتاب طبقات الکبریٰ میں لکھتا ہے:

جب ابوطالب کی وفات کا وقت آ پہنچا تو انہوں نے بنی عبدالمطلب کو بلا کر ان سے یوں خطاب کیا:

"جب تک تم محمدؐ کی باتیں سنو گے اور ان کے احکام کی پیروی کرو گے نیکی اور بھلائی کو ہاتھ سے نہیں دو گے، پس ان کی حمایت اور پیروی کرو تاکہ ہدایت پاؤ۔"

ایک اور روایت میں یوں بیان ہوا ہے:

اے بنی ہاشم! محمدؐ کی تصدیق کرو اور ان کی اطاعت کرو تاکہ ہدایت اور نجات پاؤ۔ [1]

برزنجی نے اپنی کتاب اسنی المطالب میں ان باتوں کو ابوطالبؑ کے

---

[1] تذکرۃ الخواص صفحہ ۵ + خصائص الکبریٰ جلد ۱ صفحہ ۳۷۲ - ۳۷۵ + دحلان: سیرۃ جلد ۱ صفحہ ۹۲ - ۲۹۳ + اسنی المطالب صفحہ ۱۰۔

ایمان کی دلیل قرار دیا ہے اور پھر اس سے بہتر دلیل ہو بھی کیا سکتی ہے جیسا کہ وہ لکھتا ہے:

میری نظر میں یہ چیز قطعاً ناممکن ہے کہ ابوطالبؑ ـــــ رسول اکرمؐ کی متابعت کو ہدایت سمجھیں اور دوسروں کو بھی اس کی دعوت دیں، لیکن خود آنحضرتؐ کی متابعت اور فرمانبرداری نہ کرتے ہوں۔

علامہ امینی کہتے ہیں:

عقل سلیم اس بات کو تسلیم نہیں کرتی کہ ان تمام حالات اور واقعات میں ابوطالبؑ کے طرزِ عمل کی وجہ اس کے علاوہ کچھ اور ہو کہ انہوں نے دین حنیف کو قبول کر لیا تھا اور دل سے اس دین کے لانے والے پیغمبر کی تصدیق کر چکے تھے۔ اگر ایسا نہیں تو پھر وہ کیا سبب تھا جو انہیں قریش کے غضب، سنگدلی اور ایذا رسانی کا مقابلہ کرنے نیز اپنی زندگی کا آرام و آسائش کھو دینے پر آمادہ کرتا تھا۔ خصوصاً اس وقت جب وہ خود اور انکے خاص رشتہ داروں کا ایک گروہ اس وادی میں دن گزار رہا تھا ـــــ جہاں نہ زندگی خوشگوار تھی، نہ سکون حاصل تھا اور نہ ہی خطرہ دور ہوا تھا۔ اس دور میں وہ قریش کی جانب سے سنگدلی، قطع تعلق اور دردناک زیادتیاں برداشت کر رہے تھے۔ ہاں تو وہ کونسی چیز تھی ـــــ جس نے انہیں ان سب تکالیف کا مقابلہ کرنے پر آمادہ کیا تھا۔ ایک ایسا دین کہ جس کے صحیح ہونے کا انہیں کوئی یقین نہ تھا اور جس کی حقیقت کو انہوں نے تسلیم نہیں کیا تھا، آیا وہ اس کی خاطر کئی سال کی قید اور محاصرے کی مصیبت مول لے سکتے تھے؟ خدا گواہ ہے کہ ایسا نہیں ہے اور ان سب مصائب کو برداشت کرنے کی

وجہ خدا پر ان کا پختہ ایمان اور رسول اکرمؐ کی نبوت کے یقین کے سوا کچھ اور نہیں ہے اور نہ ہو سکتی ہے۔ وہ زیرک قاری جو ان واقعات کی جزئیات پر غور کرے گا، اس پر یہ بات واضح ہو جائے گی۔

ظاہر ہے کہ فقط رشتہ داری اور قبائلی تعلقات یہ تمام تکالیف برداشت کرنے کا موجب نہیں ہو سکتے، جیسا کہ یہ تعلقات ابوطالبؑ کے بھائی ابولہب کے لیے کوئی ایسا محرک نہیں تھے۔ پھر اگر یہ فرض کر بھی لیا جائے کہ ابوطالبؑ، رسول اکرمؐ سے اپنی رشتہ داری کی بنا پر ان کا دفاع کرتے تھے، تو بھی یہ رشتہ داری اس کا سبب نہیں بن سکتی کہ اس صراحت سے رسول اکرمؐ کی تصدیق کی جائے اور یہ کہا جائے کہ جو کچھ آنحضرتؐ لائے ہیں وہ برحق ہے۔ نیز یہ اعلان کرنا کہ آپ مثیل موسیٰؑ اور وہی رسول ہیں جن کی سابقہ کتابوں میں بشارت دی گئی ہے، بلکہ یہ کہنا کہ جو کوئی ان کی پیروی کرے وہ ہدایت پاتا ہے اور جو آنحضرتؐ کے راستے سے منحرف ہو جائے اور سرکشی اختیار کرے ـــــ وہ گمراہ ہے۔

علاوہ ازیں ابوطالبؑ کی ایسی ہی اور بھی بہت سی باتیں ہیں جن میں وہ واضح الفاظ میں لوگوں کو رسول اکرمؐ کی طرف دعوت دیتے رہے ہیں اور یہی ان کے مسلم ہونے کا بیّن ثبوت ہے۔

ایک حدیث جو ابوطالب سے مروی ہے

اسحاق بن عیسیٰ ہاشمی ابورافع سے اور وہ ابوطالبؑ سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے اپنے بھتیجے محمدؐ بن عبداللہ سے سنا کہ انہوں نے کہا: ان کے

پروردگار نے انہیں صلۂ رحمی کے لیے بھیجا اور اس امر کے لیے مبعوث کیا ہے کہ وہ فقط خدا کی پرستش کریں اور اس کے علاوہ کسی کی پرستش نہ کریں ـــــ اور (میرے نزدیک) محمدؐ سب سے بڑھ کر صادق اور امین ہیں۔ [1]

شیخ ابراہیم حنبلی نے "نہایت الطلب" میں "عروہ ثقفی" سے روایت کی ہے کہ اس نے کہا:

میں نے ابوطالب رضی اللہ عنہ سے سنا کہ انہوں نے کہا: میرا صادق اور امین بھتیجا کہ بخدا وہ بے حد سچا ہے، اس نے مجھ کو بتایا کہ خدائے تعالیٰ نے اسے صلۂ رحمی برقرار کرنے، نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے کے لیے بھیجا، نیز یہ حکم بھی دیا: "شکر کرتا رہ تاکہ تجھے روزی ملے اور ناشکرا مت بن تاکہ تجھے عذاب نہ دیا جائے۔"

---

[1] ابن حجر: اصابہ جلد ۴ صفحہ ۱۱۶ + اسنی المطالب صفحہ ۶ + سید فخار: کتاب الحجۃ صفحہ ۳۶ بروایت ابونعیم اصفہانی اور بروایت ابوالفرج اصفہانی۔ نیز خطیب بغدادی نے بھی اس کو روایت کیا ہے۔

تیسرا باب

ایمانِ ابوطالبؑ کے متعلق
آپ کے
أهل وعیال کی رائے

ھاشمی بزرگوں عبدالمطلب کے فرزندوں اور ابوطالبؑ کی اولاد سے ان (ابوطالبؑ) کے راسخ الاسلام اور پختہ ایمان کی بلند آہنگ شہادتوں کے علاوہ کوئی اور بات روایت نہیں ہوئی۔ پھر جو باتیں نقل ہوئی ہیں وہ اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ ابوطالبؑ کے رسول اکرمؐ کی حمایت کرنے کی اس کے سوا کوئی اور وجہ نہ تھی کہ وہ آنحضرتؐ پر ایمان لے آئے تھے اور "گھر والا جانتا ہے کہ گھر کے اندر کیا ہے۔" [1]

ابن اثیر اپنی کتاب جامع الاصول میں لکھتا ہے کہ اہلبیت علیہم السلام کے نقطۂ نظر کے مطابق رسول اکرمؐ کے چچاؤں میں سے حمزہؓ، عباسؓ اور ابوطالبؑ کے علاوہ کسی نے اسلام قبول نہیں کیا۔

---

[1] اَھْلُ الْبَیْتِ اَدْرٰی بِمَا فِی الْبَیْتِ

ہاں تو اہلبیتؑ نے ہر دور میں ہر نسل کے لوگوں کو بالصراحت اس حقیقت سے آگاہ کیا اور مخالفین کے مقابلے میں ہمیشہ یہی موقف اختیار کیا۔

۱۔ ابن ابی الحدید، شرح نہج البلاغہ جلد سوم صفحہ ۳۱۲ پر لکھتا ہے:

عباس بن عبدالمطلب اور ابوبکر بن ابی قحافہ سے متعدد طریقوں اور مختلف الفاظ میں روایت آئی ہے کہ ابوطالب اس دنیا سے رخصت نہیں ہوئے مگر اس وقت جب انہوں نے کہا: لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

چنانچہ یہ ایک مشہور روایت ہے کہ وفات کے وقت ابوطالبؑ نے آہستہ آہستہ کچھ باتیں کہیں جو اُن کے بھائی عباس نے سُنیں۔ لہ

علاوہ ازیں امام علیؑ سے بھی روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: ابوطالبؑ دنیا سے نہیں گئے مگر یہ کہ انہوں نے رسول اکرمؐ کی خوشنودی حاصل کرلی۔

ابن عباس سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا:

جب ابوطالبؑ کی بیماری زور پکڑ گئی تو رسول اکرمؐ نے ان سے فرمایا: اے چچا! وہ بات کہہ دیجیے تاکہ قیامت کے دن میں آپ کی شفاعت کرسکوں۔ جبکہ وہ **بات** سے آپ کی مراد کلمۂ شہادت تھا۔ ابوطالبؑ

لہ ابن ہشام: سیرۃ جلد۲ صفحہ ۲۷ + بیہقی: دلائل النبوۃ + ابن کثیر: تاریخ جلد۲ صفحہ ۱۲۳ + ابن سید الناس: عیون الاثر جلد۱ صفحہ ۱۳۱ + اصابہ جلد۴ صفحہ ۱۱۶ + مواہب لدنیہ جلد۱ صفحہ ۷۱ + سیرۃ حلبیہ جلد۱ صفحہ ۳۷۲ + دحلان: سیرۃ جلد۱ صفحہ ۸۹ + اسنی المطالب صفحہ ۲۰

نے جواب دیا: اگر طعنوں کا ڈر نہ ہوتا اور یہ خیال نہ ہوتا کہ قریش سمجھیں گے، میں نے وہ بات موت کے خوف سے کہی ہے تو میں یقیناً وہ بات زبان پر لے آتا۔ پھر جب ان کی موت کا وقت آیا اور ان کے ہونٹ ہلے تو عباس نے ان پر کان دھرا اور کہا: اے بھتیجے! بخدا کہ آپ نے انہیں جو بات کہنے کا حکم دیا تھا وہ انہوں نے کہہ دی ہے۔ تب رسول اکرمؐ نے فرمایا: شکر ہے خدا کا ___ اے چچا! شکر ہے اس خدا کا کہ جس نے آپ کو ہدایت فرمائی۔ لہ

احمد زینی دحلان، سیرۃ حلبیہ جلد۱ صفحہ ۹۴ پر لکھتا ہے:

شیخ سحیمی نے شرح بر شرح جوہرۃ التوحید شعرانی میں نیز سبکی اور بعض دیگر مورخین نے نقل کیا ہے کہ عباس بن عبدالمطلب کی مذکورہ بالا روایت بعض صوفیاء پر عالم کشف میں مبنی بر حق ثابت ہوچکی ہے اور ان کی نظر میں ابوطالبؑ کے مسلم و مومن ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔

علامہ امینی کہتے ہیں:

یہ حدیث ہم نے محض اہل سنت کا ساتھ دینے کے لیے بیان کی ہے۔ ورنہ ابوطالبؑ کو یہ دو جملے زبان سے ادا کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ جبکہ انہوں نے اپنی قیمتی زندگی نظم و نثر میں اس کلمہ طیبہ کا اعلان کرنے، اس کو دوسروں کے سامنے پیش کرنے، مخالفین سے اس کا دفاع کرنے اور آخری دم تک اس کی خاطر تکلیفیں اٹھانے میں گزاری تھی۔ پھر زندگی کے ان

لہ ابوالفداء۔ تاریخ جلد۱ صفحہ ۱۲۰ + شعرانی: کشف الغمۃ جلد۲ صفحہ ۱۴۴

آخری لمحات میں ابو طالبؑ کو کلمہ اسلام کے یہ دو جملے رسمی طور پر زبان سے ادا کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ ابو طالبؑ اپنی زندگی میں کب کافر یا گمراہ ہوئے تھے کہ وہ ان دو جملوں کو زبان پر لا کر ایمان اور ہدایت سے حصہ پاتے؟ کیا رسول اکرمؐ کی حقانیت پر ایمان رکھنے کی شہادت ان تمام باتوں اور ان اشعار سے نہیں ملتی؟ جو ابو طالبؑ نے کہے اور جن کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے۔ وہ تمام اشعار اور کلمات ایسے ہیں کہ اگر ان مطالب کے ساتھ رسول اکرمؐ کے کسی صحابی کے اشعار و کلمات ان سے پست بھی ہوتے تو اس کی شہرت کا ڈھنڈورا پیٹا جاتا اور اس کے فضائل بیان کرنے میں غلو سے کام لیا جاتا۔ لیکن میرا خیال ہے کہ ابو طالبؑ خواہ اس سے ہزار گنا بلند آواز میں بھی اپنے اسلام کا اعلان کریں پھر بھی ان لوگوں کے لیے ان کے اسلام پر یقین کرنا دشوار ہے۔ ایسا کیوں ہے؟ یہ میں بھی نہیں جانتا!

۲۔ ابن سعد نے طبقات الکبریٰ جلد ا صفحہ ۱۰۵ پر عبید اللہ بن ابو رافع سے اور اس نے امام علیؑ کا قول نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا:

میں نے رسول اکرمؐ کو ابو طالبؑ کی وفات کی اطلاع دی۔ آپ رو پڑے اور پھر فرمایا: "جاؤ اور ان کو غسل و کفن دے کر سپرد خاک کرو۔ خدا ان کی مغفرت کرے اور ان پر رحمت فرمائے۔"

یہی بات واقدی کی روایت میں بھی اس فرق کے ساتھ موجود ہے کہ رسول اکرمؐ نے ابو طالبؑ کی خبر وفات سن کر شدید گریہ فرمایا اور پھر کہا جاؤ اور... ؎

؎ اسنی المطالب صفحہ ۲۱ + دلائل النبوۃ بیہقی + تذکرۃ الخواص صفحہ ۶ ←

اور برزنجی اسنی المطالب کے صفحہ ۳۵ پر لکھتا ہے:

رسول اکرمؐ محض قریش کے جاہل لوگوں کے شر سے خائف ہو کر ابو طالبؑ کے جنازے پر نہ آئے اور ان کے نماز جنازہ نہ پڑھنے کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت تک یہ مشروع نہ ہوئی تھی۔ +

اسلمی وغیرہ نے نقل کیا ہے:

ابو طالبؑ نے ۱۰ بعثت، نصف شوال میں وفات پائی اور ام المومنین خدیجۃ الکبریٰؓ ان سے ۳۵ دن بعد دنیائے فانی سے عالم جاودانی کو سدھاریں۔ ان دو سانحوں پر رسول اکرمؐ کو بے حد دکھ ہوا اور آپؐ نے اس سال کو عام الحزن (غم کا سال) قرار دیا۔ ؎

قابل توجہ

ابو طالبؑ کی تاریخ وفات کے بارے میں سنی مآخذ اور شیعہ منابع میں بھی بڑا اختلاف ہے۔ بعض نے ان کی تاریخ وفات وہی بعثت کے دسویں سال، ماہ شوال کے نصف میں بیان کی ہے اور بعض نے (دن کا ذکر کیے بغیر)

+ ابن ابی الحدید: شرح نہج البلاغہ جلد ۳ صفحہ ۳۱۴ + دحلان: سیرۃ جلد ا صفحہ ۹۰ + نجات ابی طالبؑ برزنجی۔

؎ ابن سعد: طبقات جلد ا صفحہ ۱۰۶ + مقریزی: امتاع صفحہ ۲۷ + ابن کثیر: تاریخ جلد ۳ صفحہ ۱۳۴ + سیرۃ حلبیہ جلد ا صفحہ ۳۷۳ + دحلان: سیرۃ جلد ا صفحہ ۲۹۱ + اسنی المطالب صفحہ ۱۱۔

ان کی وفات شوال میں اور بعض نے پہلی ذیقعدہ کو بتائی ہے۔ جبکہ بعض نے ان کی وفات بعثت کے دسویں سال میں شعبِ ابی طالب سے نکل آنے کے بعد ۲۷ رمضان کو اور بعض نے اسی سال ماہِ رجب میں بتائی ہے۔

۲۔ بیہقی، ابن عباس سے نقل کرتا ہے:

رسول اکرمؐ، ابوطالبؑ کے جنازے سے واپس آئے تو آپ فرما رہے تھے: اے چچا! میری آپ کے ساتھ رشتہ داری تھی اور خدا کی طرف سے آپ کو اس کا بدلہ مل گیا ہے۔

اور خطیب کی روایت میں یوں نقل ہوا ہے:

رسول اکرمؐ نے ابوطالب کا جنازہ دیکھا تو فرمایا: اے چچا! میری آپ کے ساتھ رشتہ داری ہے، خدا آپ کو اس کا اچھا بدلہ دے گا۔[1]

تاریخ یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۲۴ پر لکھا ہے:

جب رسول اکرمؐ کو بتایا گیا کہ "ابوطالب فوت ہو گئے" تو آپ کو بے حد دکھ ہوا اور آپ بہت بے چین ہو گئے۔ پھر آپ ان کی میت پر پہنچے، ان کے دائیں رخسارے کو چار دفعہ اور بائیں کو تین دفعہ مس کر کے فرمایا: چچا جان! آپ نے میرے بچپن میں میری پرورش کی، یتیمی

---

[1] دلائل النبوۃ، بیہقی + خطیب بغدادی: تاریخ جلد ۱۳ صفحہ ۱۹۶ + ابن کثیر: تاریخ جلد ۳ صفحہ ۱۲۵ + تذکرۃ الخواص صفحہ ۶ + نہایۃ الطلب، شیخ ابراہیم حنفی + طرائف صفحہ ۸۶ + اصابہ جلد ۴ صفحہ ۱۱۶ + سیوطی: شرح شواہد المغنی صفحہ ۱۳۶۔

میں میری کفالت کی اور جب میں بڑا ہوا تو میری نصرت کی ہے۔ خدا اس پر میری خاطر سے آپ کو جزائے خیر دے۔

بعدہٗ آپ ان کے تابوت کے پاس گئے اور ان کی طرف دیکھتے ہوئے فرمایا: میں آپ کا رشتہ دار ہوں اور آپ کو اس کی نیک جزا مل گئی ہے۔

۴۔ اسحاق بن عبداللہ بن حارث کا بیان ہے کہ رسول اکرمؐ کے چچا عباسؓ نے کہا: اے خدا کے رسولؐ! کیا آپ کو امید ہے کہ پروردگارِ عالم ابوطالبؑ پر لطف و کرم فرمائے گا اور انہیں بخش دے گا؟

آنحضرتؐ نے جواب دیا: میں اپنے پروردگار سے ہر خیر کی امید رکھتا ہوں۔[1]

۵۔ انس بن مالک نے کہا ہے:

ایک اعرابی رسول اکرمؐ کے پاس آیا اور اس نے عرض کیا: یا رسول اللہؐ! ہم آپ کے پاس اس حالت میں آئے ہیں کہ ہماری اونٹنیاں باقی نہیں رہیں اور ہمارے پاس ایک شیر خوار بچے کو سیر کرنے کے لیے بھی دودھ نہیں ہے۔ پھر اس نے یہ اشعار کہے:

---

[1] طبقات جلد ۱ صفحہ ۱۰۶ پر ابن سعد نے عفان بن مسلم، حماد بن سلمہ، ثابت بنانیؒ اور اسحاق بن عبداللہ ایسے معتمد راویوں سے یہ روایت نقل کی ہے۔ علاوہ ازیں دیکھیے: خصائص الکبریٰ جلد ۱ صفحہ ۸۷ + نہایت الطلب، شیخ ابراہیم حنفی + طرائف صفحہ ۶۸ + ابن ابی الحدید: شرح نہج البلاغہ جلد ۳ صفحہ ۳۱۱ + سیوطی: تعظیم والمنۃ صفحہ ۷۔

ہم اس حالت میں آپ کے پاس آئے ہیں کہ ہماری لڑکیوں نے
اپنے گریبان خون سے تر کر لیے ہیں۔
اور ماؤں نے شدید کمزوری کی وجہ سے اپنے بچوں سے ہاتھ کھینچ
لیے ہیں۔

ان میں اپنے بچوں کو گود میں لینے کی سکت نہیں ہے
گویا وہ بے فائدہ اور ناکارہ ہو کر رہ گئی ہیں
اور جو چیز انسانوں کی خوراک ہے وہ ہمیں نصیب نہیں
سوائے حنظل اور درختوں کے پتوں اور چھال کے
اور ہمارے پاس سوائے آپ کی پناہ ڈھونڈنے کے کوئی راستہ
نہیں۔
اور پیغمبروں کے علاوہ لوگوں کی پناہ گاہ کون ہو سکتا ہے؟

پس رسول اکرمؐ اس حالت میں اٹھے کہ آپ کی چادر زمین پر گھسٹ رہی تھی۔ آپ منبر پر تشریف لے گئے، خدائے تعالیٰ کی حمد و ثنا بجالائے اور پھر فرمایا: اے پروردگار! تو ہم پر فراواں اور طویل بارش برسا، تاکہ اس کے ذریعے ہماری کھیتیاں اگیں، ماؤں کی چھاتیاں دودھ سے پُر ہو جائیں اور زمین اپنی موت کے بعد اس کے ذریعے دوبارہ زندگی حاصل کرے، جیسا کہ انسان عدم سے وجود میں آتے ہیں۔

ابھی رسول اکرمؐ کی دعا ختم بھی نہیں ہوئی تھی کہ آسمان پر بجلی چمکی اور بارش شروع ہو گئی۔ بارش اتنے زور سے ہوئی کہ سب دلیر اور بہادر لوگ ڈر گئے اور انھوں نے رسول اکرمؐ سے مدد چاہی

اور کہا: یا رسول اللہؐ! ہم تو ڈوب رہے ہیں۔

آنحضرتؐ نے فرمایا: "اے بارش! خود شہر پر نہیں بلکہ اس کے اردگرد برس جا۔"

جونہی آپ نے فرمایا ـــــ وہ بادل ہٹ گئے جو ایک مرصع تاج کی طرح مدینہ پر چھائے ہوئے تھے۔ اس پر رسول اکرمؐ اس طرح ہنسے کہ آپ کے دندان مبارک ظاہر ہو گئے، پھر فرمایا: خدا ابوطالبؑ کو جزائے خیر دے! اگر وہ زندہ ہوتے تو ان کی آنکھوں میں طراوت آجاتی۔ کون ہے جو ہمیں ان کا شعر پڑھ کر سنائے؟

امام علی علیہ السلام نے عرض کیا: یا رسول اللہؐ! شاید آپ کی مراد ان کے اس شعر سے ہے:

وابیض یستسقی الغمام بوجھہ
ثمال الیتامی عصمۃ الارامل [1]

رسول اکرمؐ نے فرمایا: "ہاں!"

پس انھوں نے ابوطالبؑ کے اس قصیدے کے چند اشعار پڑھے۔ جبکہ آنحضرتؐ منبر پر تشریف فرما تھے اور ابوطالبؑ کے لیے بخشش کی دعا کر رہے تھے۔ دریں اثنا بنی کنانہ میں سے ایک آدمی اٹھا اور اس نے یہ اشعار کہے:

---

[1] ایسے روشن چہرے والا بزرگ کہ جس کے سامنے آتے ہی ابر پانی سے بھر جاتے ہیں
وہ یتیموں کی فریاد کو پہنچنے والا اور بیوہ عورتوں کی پناہ گاہ ہے۔

الٰہی سپاس تجھے ہی زیبا ہے اور سپاس اس کی طرف سے ہے جو
شکر کرتا ہے
اور ہم نے پیغمبرؐ کے چہرے کی برکت سے بارش کی نعمت حاصل کی ہے
وہ پیغمبرؐ جس نے اپنے پروردگار کو پکارا ہے
یوں پکارا ہے کہ سب کی آنکھیں ان پر لگی ہوئی تھیں
زیادہ دیر نہیں گزری تھی اور در حقیقت ایک سانس سے بھی کم
کہ دعا قبول ہوئی اور ہم نے بارش کے قطرے دیکھے
وہ بڑی تیز بارش تھی اور ابھی بادل پانی سے بھرے تھے
جن کے ذریعے خدائے تعالیٰ نے **مضر** کی قوم کو سیراب کیا
ٹھیک اسی طرح جیسے پیغمبرؐ کے چچا ابوطالبؑ نے کہا تھا
وہ (**محمدؐ**) صاحب کمال اور معصوم پیغمبر ہے
اس کی خاطر خدائے تعالیٰ بادلوں سے مینہ برساتا ہے
یہ ایک امر واقعہ ہے جو محتاج بیان نہیں
یہ اشعار سن کر رسول اکرمؐ نے فرمایا: اگر کوئی شاعر اچھے شعر کہتا ہے
تو یقیناً تم اس سے بھی اچھے شاعر ہو۔ ۱؎

۱؎ ماوردی: اعلام النبوۃ صفحہ ۷۷ + بدائع الصنائع جلد ۱ صفحہ ۲۸۳ + ابن ابی الحدید: شرح نہج البلاغہ جلد ۳ صفحہ ۳۱۶ + سیرۃ حلبیہ + عمدۃ القاری جلد ۳ صفحہ ۴۳۵ + سیوطی: شرح شواہد المغنی صفحہ ۱۳۶ + زینی دحلان: سیرۃ جلد ۱ صفحہ ۸۷ + اسنی المطالب صفحہ ۱۵ + طلبۃ الطالب صفحہ ۴۳۔

برزنجی ــــ اسنی المطالب میں لکھتا ہے:

رسول اکرمؐ کا یہ ارشاد کہ "خدا ابوطالبؑ کو جزائے خیر دے" یہ ظاہر کرتا ہے کہ اگر ابوطالبؑ زندہ ہوتے اور آنحضرتؐ کو منبر پر بیٹھے بارش کی دعا مانگتے ہوئے دیکھتے تو یقیناً خوش ہوتے اور ان کی آنکھوں میں طراوت آجاتی۔ ہاں تو رسول اکرمؐ کا ابوطالبؑ کی وفات کے بعد یہ فرمانا اس امر کا شاہد ہے کہ ابوطالبؑ آنحضرتؐ کی باتیں سن کر خوش ہوتے تھے اور ان کی آنکھیں روشن ہو جاتی تھیں۔ پس ابوطالبؑ کی یہ کیفیت اس کے علاوہ اور کسی بات پر دلالت نہیں کرتی کہ وہ رسول اکرمؐ کے کمالات سے آگاہ تھے اور ان کے نبی ہونے کی تصدیق کرکے دلی مسرت محسوس کرتے تھے۔

علامہ امینی کہتے ہیں:

بہت سے مورخین نے رسول اکرمؐ کے بارش طلب کرنے کی داستان نقل کی ہے اور اس میں سے "خدا ابوطالبؑ کو جزائے خیر دے" کے الفاظ حذف کر دیے ہیں۔ ہمارے قارئین اس تحریف کا مقصد بہتر طور پر سمجھ سکتے ہیں اور بلاشبہ اس کی وجہ ہماری نگاہوں سے بھی اوجھل نہیں ہے۔

۶۔ ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ جلد سوم صفحہ ۳۱۶ پر لکھا ہے:

سیرت، سوانح اور مغازی سے متعلق کتابوں میں آیا ہے کہ جنگ بدر میں جب "عتبہ بن ربیعہ" یا "شیبہ" نے ابوعبیدہ بن حارث بن مطلب کا پاؤں کاٹ دیا تو علیؑ اور رسول اکرمؐ کے چچا **حمزہؑ** ــــ ابوعبیدہ کی مدد کو پہنچے، انہیں بچایا اور عتبہ کو قتل کر دیا۔ پھر وہ ابوعبیدہ کو میدان جنگ سے خیمہ خاص میں لے گئے اور ان کو رسول اکرمؐ کے

حضور میں بٹھا دیا، جبکہ اس کے پاؤں کی ہڈی کا گودا نظر آ رہا تھا۔ ابوعبیدہؓ نے کہا: یا رسول اللہؐ! اگر ابوطالبؑ زندہ ہوتے تو دیکھتے کہ انہوں نے یہ بات غلط نہ کہی تھی:

خدا کے گھر کی قسم! تم نے جھوٹ کہا کہ ہم محمدؐ کو چھوڑ دیں گے اور ان کے پہلو میں جنگ کرنے اور ان کی حمایت کرنے پر تیار نہ ہوں گے

ہم اس وقت تک ان کی نصرت کریں گے جب تک ان کے ارد گرد ڈھیر نہ ہو جائیں

اور اس مقصد کی خاطر ہم اپنی عورتوں اور بچوں کو بھی بھلا دینگے

حاضرین کا کہنا ہے کہ اس دن رسول اکرمؐ نے ابوعبیدہ بن حارث اور ابوطالبؑ کے لیے بھی مغفرت کی دعا کی تھی۔

۷۔ روایت ہے کہ رسول اکرمؐ نے عقیل بن ابوطالبؑ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: "اے ابایزید! میں تم سے دو وجوہ کی بنا پر محبت کرتا ہوں۔ ایک تو اس لیے کہ تم میرے رشتہ دار ہو اور پھر اس لیے کہ میں جانتا ہوں، میرے چچا ابوطالبؑ تمہیں کتنی شدت سے چاہتے تھے۔ ؎۱

یہ واقعہ اس بات پر شاہد صادق ہے کہ آنحضرتؐ کو اپنے چچا

؎۱ استیعاب جلد ۲ صفحہ ۵۰۹ + ذخائر العقبیٰ صفحہ ۲۲۲ + تاریخ الخمیس جلد ۱ صفحہ ۱۶۳ + یحییٰ عامری: بہجۃ المحافل جلد ۱ صفحہ ۳۲۷ + ابن ابی الحدید: شرح نہج البلاغہ جلد ۳ صفحہ ۳۱۲ + مجمع الزوائد جلد ۹ صفحہ ۲۷۳۔

(ابوطالبؑ) کے صاحب ایمان ہونے کا یقین تھا۔ ورنہ عام لوگوں کے نزدیک ایک کافر سے محبت کرنے کی کوئی قیمت ہے کہ رسول کریمؐ کے نزدیک اس کی کوئی قیمت ہو اور وہ بھی اس کی اولاد کے لیے؟ جبکہ رسول اکرمؐ نے جناب عقیل سے یہ بات ان کے ایمان لانے کے بعد کہی ہے۔ ؎۱

اگر ہم اس مفروضے کو قبول کر لیں کہ ابوطالبؑ نے رسول اکرمؐ کا دین اختیار نہیں کیا تھا، پھر آنحضرتؐ کی ان سے محبت تعجب انگیز نہ ہوگی؟ اور اس سے بھی زیادہ تعجب انگیز یہ بات ہوگی کہ انھوں نے اس محبت کا اظہار ابوطالبؑ کی وفات کے بعد کیا! بلکہ عقیل سے ابوطالبؑ ہی کی محبت کو ان سے اپنی محبت کا سبب ٹھہرایا!!

۸۔ ابونعیم اور بعض دوسرے مؤلفین ابن ابوعباس سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ابوطالبؑ ـــ رسول اکرمؐ سے بے حد محبت کرتے تھے۔ یہاں تک کہ جتنا وہ آنحضرتؐ کو چاہتے تھے، اتنا اپنے بیٹوں کو بھی نہ چاہتے تھے اور ہمیشہ انہیں اپنے بیٹوں پر ترجیح دیتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ آنحضرتؐ کے علاوہ کسی کے ساتھ نہیں سوتے تھے اور جب کبھی باہر جاتے تو آپ کو اپنے ساتھ لے جاتے تھے۔

ابوطالبؑ کی وفات کے بعد قریش نے رسول اکرمؐ کو وہ تکلیفیں دینی شروع کر دیں جو وہ ابوطالبؑ کی زندگی میں نہیں دے سکے تھے، یہاں تک کہ

؎۱ بہجۃ المحافل، یحییٰ عامری

قریش کے احمقوں میں سے ایک احمق نے آنحضرتؐ کے سر پہ مٹی ڈال دی۔ تب آپ اس حالت میں گھر تشریف لائے کہ مٹی آپ کے سر پہ لگی ہوئی تھی اور آپ کی بیٹی آپ کا سر دھوتے ہوئے رو رہی تھیں۔ رسول اکرمؐ نے انہیں مخاطب کر کے فرمایا: میری بیٹی! روؤ مت — کیونکہ خدا تمہارے باپ کا محافظ ہے۔ قبل اس سے کہ ابو طالبؑ کی وفات ہو جائے، قریش نے میری مخالفت میں ایسا کوئی اقدام نہیں کیا تھا۔

ایک اور روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: قریش ہمیشہ سے اس انتظار میں تھے کہ کب ابو طالبؑ کی وفات ہوتی ہے۔ ایک تیسری روایت کے مطابق آپ نے فرمایا: قریش ابو طالب کے سامنے دبے رہے۔ یہاں تک کہ وہ فوت ہو گئے۔[1]

۹۔ عبداللہ نے کہا: جنگ بدر میں مقتولین قریش کی لاشیں میدان میں پڑی تھیں۔ رسول اکرمؐ نے ان کو دیکھتے ہوئے ابو بکر کو مخاطب کر کے فرمایا: اگر آج ابو طالب زندہ ہوتے تو دیکھتے کہ ہماری تلواروں نے ان سرداروں اور

---

[1] تاریخ طبری جلد ۲ صفحہ ۲۲۹ + تاریخ ابن عساکر جلد ا صفحہ ۲۸۴ + مستدرک حاکم جلد ۲ صفحہ ۶۲۲ + تاریخ ابن کثیر جلد ۳ صفحہ ۱۲۲، ۱۳۴ + صفۃ الصفوۃ جلد ا صفحہ ۲۱ + زمخشری: الفائق جلد ۲ صفحہ ۲۱۳ + تاریخ الخمیس جلد ا صفحہ ۲۵۳ + سیرۃ حلبیہ جلد ا صفحہ ۳۴۵ + فتح الباری جلد ۷ صفحہ ۱۵۳، ۱۵۴ + شرح شواہد المغنی صفحہ ۱۳۶ + اسنی المطالب صفحہ ۱۱، ۲۱ + طلبۃ الطالب صفحہ ۴، ۵۴۔

دلیروں کو اسی طرح نشانہ بنایا ہے، جیسا کہ ابو طالبؑ نے اپنے اس شعر میں کہا تھا:

عظمت کعبہ کی قسم! تم نے جھوٹ بولا ہے، جو کچھ ہم دیکھ رہے ہیں اگر وہ حقیقت ہو

تو ہم اپنی تلواریں تمہارے سرداروں اور دلیروں پر سونت لیں گے[1]

۱۰۔ حافظ ابن فنجویہ نے ایک مرفوع حدیث نقل کی ہے کہ ابن عباس نے امام علی علیہ السلام سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

اگر (رسول اکرمؐ کے) جانشین کا تقرر میری ذمہ داری ہوتی تو میری نظر میں آپ سے بڑھ کر اس عہدے کا مستحق کوئی نہ ہوتا، کیونکہ آپ اسلام لانے میں سبقت کرنے والے ہیں — آپ رسول اکرمؐ کے رشتہ دار ہیں اور داماد یعنی مومنہ عورتوں کی سردار فاطمہ زہراؑ کے شوہر ہیں — اور اس سے پیشتر آپ کے والد ابو طالبؑ نے بھی رسول اکرمؐ کی خاطر تکلیفیں اٹھائی ہیں — جب قرآن مجید (میں سے کچھ) نازل ہوا تو ابو طالبؑ نے وہ مجھے دیا تھا۔ اس کے لیے مجھ پر ان کا حق ہے، میری خواہش تھی کہ ان کے بعد میں وہ ان کے فرزندوں کے ذریعے ہی ادا کر دوں۔[2]

علامہ امینی کہتے ہیں:

ان احادیث میں سے کسی ایک کا مضمون بھی ابو طالبؑ کے کفر سے مطابقت نہیں رکھتا۔ اس کے لیے یہ امور قابل توجہ ہیں:

---

[1] اغانی جلد ۱۷ صفحہ ۲۸ + طلبۃ الطالب صفحہ ۳۸ + کفایت الطالب الکنجی صفحہ ۱۸۱

رسول اکرمؐ اپنے خلیفہ (علیؑ) کو ایک کافر (ابوطالبؑ) کے غسل وکفن کا حکم کبھی نہ دیتے اور ان کے لیے مغفرت اور رحمت کی دعا نہ فرماتے۔ (حدیث ۲-۳ میں آپ نے ان کے غسل وکفن کا حکم دیا اور دعائے مغفرت بھی فرمائی ہے)۔

ابوطالبؑ کافر ہوتے تو حضور اکرمؐ ان کے لیے خیر بلکہ کلِّ خیر کی آرزو نہ فرماتے۔ (حدیث ۴ میں آپ نے ان کے لیے کلِّ خیر کی آرزو فرمائی ہے)۔

ابوطالبؑ کافر ہوتے تو آنحضرت ان کے لیے بخشش کی دعا نہ فرماتے۔ (حدیث ۵ میں آپ نے ان کے لیے بخشش کی دعا فرمائی ہے)۔

ابوطالبؑ کافر ہوتے تو نبی اکرمؐ ان کے لیے طلب مغفرت نہ کرتے۔ (حدیث ۶ میں آپ نے ان کے لیے طلب مغفرت فرمائی ہے)۔

ابوطالبؑ کافر ہوتے تو رسول کریم ان کی محبت میں عقیل سے محبت ظاہر نہ کرتے۔ (حدیث ۷ میں آپ نے ابوطالبؑ کی محبت میں عقیل سے محبت ظاہر فرمائی ہے)۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ کسی شخص کا کفر ایک مسلمان کو اس کے بارے میں ان اعمال میں سے ایک بھی عمل انجام دینے سے روکتا ہے۔ چہ جائیکہ ایک کافر کے حق میں یہ سارے اعمال انجام دیے جائیں اور ان کے انجام دینے والے بھی خود رسول کریم ہوں، جنھوں نے خدائے تعالیٰ کے یہ ارشادات بیان کیے ہیں:

۱ــــ جو لوگ خدا اور یوم آخرت پر یقین رکھتے ہیں، تم ان کو خدا اور اس کے رسولؐ کے دشمنوں سے دوستی کرتے ہوئے نہ دیکھو گے۔ اگرچہ وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا خاندان ہی کے

لوگ ہوں۔ (سورۂ مجادلہ۔ آیت ۲۲)

۲ــــ اے ایمان والو! میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ۔ تم تو ان کے پاس دوستی کا پیغام بھیجتے ہو اور وہ اس دین حق سے انکار کرتے ہیں جو تمہارے پاس آیا ہے۔ (سورۂ ممتحنہ۔ آیت ۱)

۳ــــ اے ایماندارو! اگر تمہارے باپ اور بھائی ایمان پر کفر کو ترجیح دیتے ہیں تو تم ان کو اپنے خیرخواہ نہ سمجھو۔ تم میں جو لوگ ان سے الفت رکھیں گے تو ایسے ہی لوگ ظالم ہیں (سورۂ توبہ۔ آیت ۲۳)۔

۴ــــ اور اگر یہ لوگ خدا اور رسولؐ پر اور جو کچھ ان پر نازل کیا گیا ہے، اس پر ایمان رکھتے تو ہرگز ان کو دوست نہ بناتے۔ (سورۂ مائدہ۔ آیت ۸۱)

انہی جیسی اور بھی بہت سی آیات ہیں۔

چوتھا باب

ایمانِ ابوطالبؑ کے بارے میں
معصومین علیہم السّلام کے
پاکیزہ کلمات

۱۔ احادیثِ رسولؐ

تمام رازی نے فوائد میں اپنی اسناد کے ساتھ عبداللہ بن عمر سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا:

رسول اکرمؐ نے فرمایا: جب قیامت برپا ہوگی تو میں اپنے باپ، اپنی ماں، اور اپنے چچا ابوطالبؑ نیز اس شخص کی شفاعت بھی کروں گا جو ایام جاہلیت میں میرا بھائی تھا۔ ؎

تاریخ یعقوبی جلد۲ صفحہ ۲۶ پر ہے کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا: خدائے عزوجل نے مجھ سے چار اشخاص کے بارے میں میری شفاعت قبول کرنیکا وعدہ

؎ ذخائر العقبیٰ صفحہ ۷ + درج المنیفہ صفحہ ۷ + مسالک الحنفاء صفحہ ۱۴

کیا ہے: میرا باپ، میری ماں، میرا چچا اور میرا ایامِ جاہلیت کا بھائی۔ [1]

ابن جوزی نے اپنی اسناد کے ساتھ امام علی علیہ السلام سے مرفوعاً روایت کی ہے کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا:

جبرئیل مجھ پر نازل ہوئے اور کہا: خدائے تعالیٰ آپ پر سلام کے بعد فرماتا ہے کہ وہ پشت جس نے آپ کو ظاہر کیا، وہ پیٹ جس نے آپ کو اٹھایا اور وہ رشتہ دار جنہوں نے آپ کی سرپرستی کی، میں نے ان پر دوزخ کی آگ حرام کردی ہے۔ وہ پشت — عبداللہ بن عبدالمطلب، وہ پیٹ — آمنہ بنت وہب اور وہ رشتہ دار آپ کے چچا ابوطالبؑ اور (چچی) فاطمہ بنت اسد ہیں۔ [2]

رسول اکرمؐ نے فرمایا: جبرئیل نے مجھ سے کہا کہ خدائے تعالیٰ نے آپ کو چھ اشخاص کے بارے میں خاص شفاعت کا حق عنایت فرمایا ہے:

اس پیٹ کے بارے میں جس نے آپ کو اٹھایا (آمنہ بنت وہب)۔
اس پشت کے بارے میں جس نے آپ کو ظاہر کیا (عبداللہ بن عبدالمطلب)۔
اس رشتہ دار کے بارے میں جس نے آپ کی سرپرستی کی (ابوطالبؑ)۔
اس گھر کے بارے میں جس نے آپ کو پناہ دی (عبدالمطلب)۔
اس شخص کے بارے میں جو ایام جاہلیت میں آپ کا بھائی تھا اور...... [3]

---

[1] پہلی اور دوسری حدیث میں "ایام جاہلیت کے بھائی" کا مطلب رضاعی بھائی ہے۔
[2] سیوطی: تعظیم والمنۃ صفحہ ۲۵۔
[3] ابن ابی الحدید: شرح نہج البلاغہ جلد ۳ صفحہ ۳۱۱۔

۲- کلماتِ امیر المومنین علیؑ

امام علیؑ نے اپنے والد کے مرثیے میں یہ اشعار کہے:

ابوطالبؑ، اے پناہ لینے والوں کی پناہ گاہ
اور اے رحمت کی زوردار بارش اور اے اندھیروں کی روشنی
سچ تو یہ ہے کہ آپ کے نہ رہنے سے غیرت مند مردوں کے دل ٹوٹ گئے اور وہ سست پڑ گئے ہیں
اور نعمتوں کے مالک پروردگار نے آپ پر رحمت نازل کی
اور آپ کو اپنی خوشنودی سے نوازتا رہا
کیونکہ آپ پیغمبرؐ کے لیے واقعی بہترین چچا تھے [1]

اس ضمن میں ابن ابی الحدید نے بھی امام علیؑ سے مندرجہ ذیل اشعار نقل کیے ہیں:

رات گئے بولنے والے پرندوں کی آوازوں پر میرا دل بھر آیا
انہوں نے پھر سے مجھے وہ سخت دکھ یاد دلایا
ابوطالبؑ کے اٹھ جانے کا دکھ کہ جو بڑے سخی اور فقیروں کی پناہ گاہ تھے۔
قبیلۂ قریش کے لوگ ان کی وفات پر خوش ہوئے ہیں

---

[1] ابن جوزی: تذکرۃ الخواص صفحہ ۶ + دیوان ابوطالبؑ صفحہ ۳۶ + سید فخار: کتاب الحجۃ صفحہ ۲۴

اور میں نے تو کوئی ایسا شخص نہیں دیکھا جو ہمیشہ زندہ رہا ہو
قریش اپنے اس منصوبے پر عمل کرنے لگے جو ان کی آرزوؤں کا آئینہ دار تھا

اور یہ ناروا آرزوئیں جلد ہی انہیں ایک ناپسندیدہ مقام پر لے آئیں گی

وہ رسول اکرمؐ سے جھوٹی باتیں منسوب کرنے اور انھیں قتل کرنے کے خواہشمند ہیں
اور وہ آنحضرتؐ کی گزشتہ زندگی کے بارے میں افترا باندھتے ہیں
قسم ہے خدا کے گھر — کعبہ کی کہ تم جھوٹ بولتے رہو گے یہاں تک کہ

ہم تمہیں نیزوں کی نوکوں اور ہندی تلواروں کا مزہ چکھائیں
پس یا تم ہمیں نابود کردو گے یا ہم تمہیں (نابود کردیں گے)
یا یہ کہ تم رشتہ داروں کے ساتھ صلح کو بہتر پاؤ گے
ورنہ حقیقی زندگی تو فقط محمدؐ کے پہلو میں ہی مل سکتی ہے
اور ہم بنی ہاشم — بہترین اور ممتاز ترین انسان (رسول اکرمؐ) کے ساتھ ہیں

امیرالمومنین علیؑ سے منسوب دیوان میں ابوطالبؑ کے مرثیے کے سلسلے میں معمولی تغیر اور اضافے کے ساتھ اور بھی بہت سے مؤثر اشعار موجود ہیں، ہم نے تکرار کلام سے بچنے کے لیے ان کو نقل نہیں کیا۔

۳- کلماتِ امام سجادؑ

روایت ہے کہ جب امام علی بن حسینؑ (سجادؑ) سے ایمانِ ابوطالبؑ کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: یہ بڑی عجیب بات ہے! خدائے تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کو کافر مرد سے مسلمان عورت کا نکاح کرنے سے منع فرمایا ہے، جبکہ امام علیؑ کی والدہ اور ابوطالبؑ کی زوجہ — فاطمہ بنت اسد — جو سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والوں میں سے تھیں، وہ ابوطالبؑ کے عقد میں رہیں حتیٰ کہ وہ وفات پا گئے۔ [1]

۴- کلماتِ امام باقرؑ

امام باقرؑ سے اس بارے میں سوال کیا گیا کہ بعض لوگ کہتے ہیں، ابوطالبؑ کا ٹھکانا آگ کا ایک گڑھا (جہنم) ہے۔ امامؑ نے فرمایا: اگر ابوطالبؑ کا ایمان ترازو کے ایک پلڑے میں اور آج کے لوگوں کا ایمان دوسرے پلڑے میں رکھا جاتا تو بھی ابوطالبؑ کے ایمان کا پلڑا بھاری رہتا۔ پھر فرمایا: کیا تم نہیں جانتے امیرالمومنینؑ نے حکم دیا تھا کہ عبداللہؑ انکے فرزند اور ابوطالبؑ کے لیے حج بجالایا جائے۔ پھر آپ اپنی وصیت میں بھی ان کے لیے فریضۂ حج انجام دینے کی تاکید فرما گئے۔ [2]

---

[1] ابن ابی الحدید: شرح نہج البلاغہ جلد ۳ صفحہ ۳۱۲
[2] ″ ″ ″ ″ ″ جلد ۳ صفحہ ۳۱۱

۵۔ کلماتِ امام صادقؑ

امام صادق علیہ السلام سے نقل کیا گیا ہے کہ آپ نے فرمایا: اصحابِ کہف نے اپنے ایمان کو پوشیدہ رکھا اور کفر کا اظہار کیا۔ پس خدائے تعالیٰ نے انہیں اس کا دگنا بدلہ عطا فرمایا۔ اسی طرح ابو طالبؑ نے بھی ایمان کو پوشیدہ رکھا اور شرک ظاہر کیا، چنانچہ خدا نے انہیں بھی اس کا دگنا بدلہ عنایت فرمایا ہے۔[1]

علامہ امینی کہتے ہیں:

یہ حدیث ثقۃ الاسلام شیخ کلینی نے بھی امام صادقؑ سے غیر مرفوع طور پر ان الفاظ میں روایت کی ہے:

ابو طالبؑ کی مثال اصحابِ کہف کی سی ہے کہ جنہوں نے اپنے ایمان کو پوشیدہ رکھا اور شرک ظاہر کیا۔ پس خدا نے انہیں اس کا دگنا بدلہ عطا فرمایا۔[2]

سید فخار بن معد نے حسین بن احمد مالکی کے طریقے سے ابن ابی الحدید کی مذکورہ بالا عبارت نقل کی ہے اور اس پر ان الفاظ کا اضافہ بھی کیا ہے:

"ابو طالبؑ اس دنیا سے رخصت نہیں ہوئے یہاں تک کہ انکو خدائے تعالیٰ سے جنت کی بشارت مل گئی۔"[3]

---

[1] ابن ابی الحدید: شرح نہج البلاغہ جلد ۳ صفحہ ۳۱۲

[2] اصول کافی صفحہ ۲۴۴ [3] سید فخار: کتاب الحجۃ صفحہ ۷،

۶۔ کلماتِ امام رضاؑ

ابان بن محمود نے امام علی رضا علیہ السلام کے نام ایک خط میں یوں لکھا: میں آپ پر قربان جاؤں، مجھے ایمان ابو طالبؑ کے بارے میں شک ہو گیا ہے۔

امام علیہ السلام نے اس کے جواب میں لکھا: جو شخص ہدایت کے واضح ہو جانے کے بعد رسول اکرمؐ کی مخالفت کرے اور مومنوں کے راستے کے علاوہ کوئی اور راستہ اختیار کرے تو جدھر وہ پھر گیا ہے ہم بھی اسے ادھر ہی پھیر دیں گے۔ پھر جہنم میں ڈال دیں گے اور وہ بہت ہی برا ٹھکانا ہے۔[1]

بعد ازیں تم جان لو کہ اگر تم ایمان ابو طالبؑ پر یقین نہیں رکھتے تو تمہارا ٹھکانا جہنم ہے۔

مذکورہ بالا پاکیزہ کلمات میں سے ہر معصوم کا کلام بجائے خود ہمارے مدعا (یعنی ایمان ابو طالبؑ) کو ثابت کرنے کے لیے کافی ہے، جبکہ یہاں وہ سب پاکیزہ کلمات یکجا ہو گئے ہیں۔ پس یہ ایک قطعی بات ہے کہ وہ ائمہؑ جو ابو طالبؑ کی اولاد سے ہیں اور اپنی عصمت کی وجہ سے حق و حقیقت کے علاوہ کچھ نہیں کہتے، وہ اپنے جدِ اعلیٰ کے حالات (اسلام و ایمان) کو دوسروں کی نسبت بہتر طور پر جاننے اور بیان کرنے والے ہیں۔

---

[1] سورۂ نساء - آیت ۱۱۵

پانچواں باب

ایمانِ ابوطالبؑ کے اثبات میں علمائے اہلسنّت کے قیمتی اقوال

۱۔ علامہ برزنجی

مکہ مکرمہ میں شافعیوں کے مفتی نے کیا خوب کہا ہے:

علامہ سید محمد بن رسول برزنجی نے ابوطالبؑ کی نجات کے بارے میں جو روش اپنائی ہے وہ ان سے پہلے کسی نے بھی نہیں اپنائی تھی۔ خدا انہیں اس کا بہترین بدلہ دے۔ ان کی یہ روش ہر انصاف پسند اور با ایمان شخص کو خوش کر دیتی ہے کیونکہ اس میں روایات کو جھٹلانے یا ان کے مضامین کو ضعیف ثابت کرنے کا راستہ اختیار نہیں کیا گیا۔ اس کے بجائے انہوں نے اکثر و بیشتر ان کے ایسے اچھے معنی لیے ہیں جو اختلاف آراء کو دور کرتے ہیں۔ رسول اکرمؐ کی آنکھوں کی روشنی کا باعث بنتے ہیں اور ابوطالبؑ کی تنقیص یا ان سے دشمنی کے اس بھنور میں گرنے سے محفوظ رکھتے ہیں کہ جو رسول اکرمؐ کے لیے آزار

کا موجب ہے۔[1]

اس بارے میں خدائے تعالیٰ فرماتا ہے:

جو لوگ خدا اور اس کے رسولؐ کو تکلیف پہنچاتے ہیں، خدائے ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی ہے اور ان کے لیے دردناک عذاب مہیا کر رکھا ہے۔[2]

نیز یہ بھی فرماتا ہے:

جو لوگ خدا کے رسولؐ کو تکلیف پہنچاتے ہیں ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔[3]

۲۔ امام، ابن وحشی

امام احمد بن حسین موصلی حنفی (ابن وحشی) نے شرح شہاب الاخبار[4] میں لکھا ہے:

ابوطالبؑ کے ساتھ کینہ رکھنا، کفر کا ارتکاب کرنے کے مساوی ہے۔

---

[1] اسنی المطالب صفحہ ۳۳

[2] سورۂ احزاب۔ آیت ۵۷

[3] سورۂ توبہ۔ آیت ۶۱

[4] شہاب الاخبار — علامہ محمد بن سلامہ قضاعی (متوفی ۴۵۴ھ) کی تالیف ہے اور امام، ابن وحشی نے اس کی شرح لکھی ہے۔

۳۔ علامہ علی اجہوری

مالکی علماء میں سے علامہ اجہوری نے بھی اپنے فتاویٰ میں اس مسئلے کی تائید کی ہے کہ ابوطالبؑ سے کینہ رکھنا کفر کا ارتکاب کرنے کے مساوی ہے۔

۴۔ تلمسانی

تلمسانی — کتاب "شفا" پر اپنے حاشیے میں ابوطالبؑ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

یہ مناسب نہیں کہ ہم ابوطالبؑ کو رسول اکرمؐ کی حمایت کرنے والے کے علاوہ کسی اور حیثیت سے یاد کریں۔ کیونکہ انہوں نے اپنے قول اور فعل سے رسول اکرمؐ کی حمایت اور نصرت کی ہے۔ پھر ابوطالبؑ کو برائی سے یاد کرنا درحقیقت رسول اکرمؐ کو دکھ دینا ہے اور جو شخص آنحضرتؐ کو دکھ دے وہ کافر ہے اور اسے قتل کر دینا چاہیے۔

۵۔ ابوطاہر

ابوطاہر بھی اس بات کا معتقد ہے کہ جو شخص ابوطالبؑ کے ساتھ کینہ رکھے وہ کافر ہے۔

۶- زینی دحلان

زینی دحلان نے ـــــ اسنی المطالب ـــ کے صفحات ۴۳، ۴۴ پر ایمان ابوطالبؑ کے موضوع پر بڑے بلند پایہ اشعار نقل کیے ہیں۔ چونکہ ان میں سے بہت سے اشعار کا مضمون وہی ہے، جو پہلے ہی مختلف عبارات میں پیش کیا جا چکا ہے۔ اس لیے تکرار سے بچنے اور اختصار کا لحاظ رکھنے کی خاطر وہ اشعار درج نہیں کیے گئے۔

۷- قرطبی، سبکی، شعرانی اور دیگر صوفیاؒ

وہ تمام امور جو نجاتِ ابوطالبؑ کے بارے میں علامہ برزنجی کے تحقیقی نقطۂ نظر کی تائید کرتے ہیں۔ ان میں ایک یہ ہے کہ بہت سے محقق علماء اور اہلِ کشف صوفیا بھی نجاتِ ابوطالبؑ کے معتقد ہیں۔ ان اہلِ کشف میں قرطبی، سبکی، شعرانی اور بہت سے دوسرے صوفی حضرات شامل ہیں جو یہ کہتے ہیں:
نجاتِ ابوطالبؑ ایک ایسا مسئلہ ہے کہ جس کا ہم اعتقاد اور یقین رکھتے ہیں۔
اگرچہ ان کے نزدیک اس امر کے ثابت کرنے کا طریقہ ـــــ برزنجی کے طریقے سے مختلف ہے لیکن اس کے باوجود وہ نجاتِ ابوطالبؑ کے بارے میں ان سے متفق ہے۔ لہٰذا اس مسئلے میں ان علماء اور صوفیاء کا یہ اعتقاد ـــ خدائے تعالیٰ کے نزدیک لوگوں کے لیے حجت ہے، بالخصوص ان دلائل اور براہین کی ہمراہی میں جو علامہ برزنجی نے اس بارے میں پیش کیے ہیں۔

چھٹا باب

ایمانِ ابوطالبؑ کے بارے میں ان کے متعلّقین و معتقدین کی روایات

شیعیانِ اہلبیت میں سے کسی کو بھی ایمانِ ابوطالبؑ کے بارے میں شک وشبہ نہیں ہے اور وہ انہیں اسلام وایمان کے اعلیٰ مرتبے اور بلند مقام پر فائز سمجھتے ہیں۔ انہوں نے یہ اعتقاد نسلاً بعد نسلٍ رسول اکرمؐ کے مخلص صحابہ اور ان کے نیک نفس تابعین[1] سے حاصل کیا ہے۔ نیز انہوں نے ائمۂ اہلبیتؑ کی ان روایات کے ذریعے اس مسئلے کی حقانیت کو تسلیم کرلیا ہے جن کا سلسلۂ سند ان کے جدِّ بزرگوار رسول اکرمؐ سے متصل ہے اور یوں ان کے مطالب کی درستی ثابت ہوگئی ہے۔

معلّم اکبر شیخ مفیدؒ اپنی کتاب "اوائل المقالات" کے صفحہ ۴۵ پر لکھتے ہیں: شیعۂ امامیہ اس بارے میں اتفاق نظر رکھتے ہیں کہ آدمؑ سے

---

[1] صحابہ کے بعد کی نسل کے لوگ جنہوں نے رسول اکرمؐ کو نہیں دیکھا تھا۔

عبداللہ تک رسول اکرمؐ کے تمام آباؤ اجداد موحد تھے اور خدائے عزوجل پر ایمان رکھتے تھے۔

پھر وہ اس پر یہ اضافہ کرتے ہیں:

شیعۂ امامیہ کا اس بات پر اجماع (کامل وحدت نظر) ہے کہ ابوطالبؑ دنیا سے بہ حیثیت مومن رخصت ہوئے اور رسول اکرمؐ کی والدہ حضرت آمنہ بنت وہب عقیدۂ توحید پر قائم تھیں۔

شیخ طوسیؒ، اپنی کتاب "تبیان" جلد دوم کے صفحہ ۳۹۸ پر لکھتے ہیں:

امام باقرؑ اور امام صادقؑ کے اقوال کے مطابق ابوطالبؑ مسلمان تھے اور اس پر شیعہ امامیہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے، کیونکہ ان کے پاس اسکے متعلق ایسے فیصلہ کن دلائل ہیں جو یقین پیدا کرتے ہیں۔

شیخ طبرسیؒ اپنی تفسیر "مجمع البیان" جلد دوم کے صفحہ ۲۸۷ پر لکھتے ہیں:

ایمان ابوطالبؑ پر اہل بیتؑ کا اجماع ثابت ہو چکا ہے اور یہ اجماع حجت ہے کیونکہ وہ ان ثقلین میں سے ایک ثقل ہیں جن سے وابستہ رہنے کے لیے رسول اکرمؐ نے لوگوں کو ان الفاظ میں حکم دیا ہے: اگر تم ان دونوں (قرآن و اہلبیتؑ) کا دامن مضبوطی سے تھامے رہو گے ہرگز گمراہ نہ ہو گے[1]

سید فخار بن معد اپنی کتاب "الحجۃ" کے صفحہ ۱۳ پر لکھتے ہیں:

رسول اکرمؐ کے اہلبیتؑ کا اجماع ہمارے لیے ابوطالبؑ کے ایمان پر بطور استدلال کافی ہے اور شیعہ علماء بھی ان کے اسلام و ایمان پر

[1] یہاں حدیث ثقلین کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

متفق الرائے ہیں۔

جو چیز ان کے خالص اسلام اور راسخ ایمان پر گواہ ہے وہ ان کے اقوال اور افعال کا مجموعہ ہے جنہیں مسلمان اور مومن انسانوں کے علاوہ دوسرے لوگ تسلیم نہیں کرتے لیکن ان سب باتوں کے باوجود فقط اہلبیتؑ کا اجماع ہی اس پر حجت ہے اور اعتماد و اعتبار کے قابل ہے۔

شیخ فتال اپنی کتاب "روضۃ الواعظین" کے صفحہ ۱۲۰ پر لکھتے ہیں:

جان لو اور آگاہ رہو کہ برحق گروہ (شیعہ) نے ابوطالبؑ، عبداللہ بن عبدالمطلب اور آمنہ بن وہب کے صاحب ایمان ہونے پر اجماع کیا ہے اور ان کا اجماع حجت ہے۔

سید طاؤسؒ اپنی کتاب "طرائف" کے صفحہ ۸۴ پر لکھتے ہیں:

یہ ایک حقیقت ہے کہ میں نے شیعہ علماء کو ابوطالبؑ کے ایمان پر متحد و متفق پایا ہے۔

پھر صفحہ ۸۷ پر لکھتے ہیں:

اس میں کوئی شک نہیں کہ عترت (اہلبیت رسولؐ) غیروں کے مقابلے میں ابوطالبؑ کے باطن کا حال بہتر طور پر جانتے ہیں۔ نیز ان کے شیعوں نے بھی اس امر (ایمان ابوطالبؑ) پر اجماع کیا ہے اور ان کے ہاں اس بارے میں مستقل تالیفات بھی موجود ہیں۔ ہم نے کوئی ایسا مسلمان نہ دیکھا اور نہ سنا ہے کہ جو ان (ایمان ابوطالبؑ کے منکرین) کے برابر دلیل کا طلبگار رہا ہو۔ تاہم جیسا کہ ہم انہیں جانتے ہیں۔ وہ خبر واحد یا اشارۂ بعید کی بنا پر بھی بعض کافروں کے ایمان کی توثیق کرتے

ہیں۔ لیکن محض بنی ہاشم سے دشمنی کے باعث ایمان ابوطالبؑ کا انکار کرتے ہیں' حالانکہ اس کے لیے قطعی دلائل موجود ہیں اور یہ بجائے خود ایک حیرت انگیز بات ہے۔

ابن ابی الحدید "شرح نہج البلاغہ" جلد سوم کے صفحہ ۳۱۱ پر لکھتے ہیں:

ایمان ابوطالبؑ کے متعلق لوگوں میں اختلاف پیدا ہو گیا ہے۔

اس بارے میں شیعہ امامیہ اور اکثر زیدیہ کا اعتقاد ہے کہ ابوطالبؑ دنیا سے رخصت نہیں ہوئے مگر اس وقت جب انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ اسی طرح بعض معتزلی علماء شیخ ابوالقاسم بلخی اور ابوجعفر اسکافی وغیرہ بھی یہی اعتقاد رکھتے ہیں۔

علامہ مجلسیؒ "بحار الانوار" جلد نہم کے صفحہ ۲۹ پر لکھتے ہیں:

ابوطالبؑ کے قبول اسلام پر شیعۂ امامیہ کا اجماع ہے اور حقیقت یہ ہے کہ وہ رسول اکرمؐ کے آغاز بعثت ہی میں ایمان لے آئے تھے۔ نیز انہوں نے ہرگز بتوں کی پرستش نہیں کی بلکہ وہ حضرت ابراہیمؑ کے اوصیا میں سے تھے۔ ابوطالبؑ کا ایمان قبول کرنا شیعہ امامیہ کے ہاں زیادہ مشہور ہے۔ حتیٰ کہ تمام مخالفین اس نظریے کو شیعوں ہی سے منسوب کرتے ہیں حالانکہ ایمان ابوطالبؑ کے بارے میں سنی اور شیعہ روایات تواتر کی حد کو پہنچی ہوئی ہیں۔ نیز ہمارے بہت سے علماء اور محدثین نے اس موضوع پر مستقل کتابیں لکھی ہیں اور یہ بات کتب رجال پر نظر رکھنے والوں سے پوشیدہ نہیں ہے۔

ہمارے اس اتفاق رائے اور اجماع کی بنیاد ــــ سردار مکہ ابوطالبؑ کے بارے میں فقط خاندان نبوت کے بزرگوں کے آثار اور

اقوال ہیں جو کم از کم چالیس احادیث پر مشتمل ہیں۔ اختصار کو ملحوظ رکھنے اور تکرار سے بچنے کے لیے یہاں ان تمام احادیث کی اسناد بیان کی گئی ہیں اور صرف وہ احادیث نقل کی ہیں جو مکرر نہیں ہیں۔

۱ــــ روایت ہے کہ جبرئیلؑ رسول اکرمؐ پر نازل ہوئے اور آنحضرتؐ کے والد' والدہ اور چچا (ابوطالبؑ) پر آتش جہنم کے حرام ہونے کی خبر لائے۔ [۱]

۲ــــ روایت ہے کہ جبرئیل رسول اکرمؐ پر نازل ہوئے اور آنحضرتؐ کو اپنے والد اور چچا کی شفاعت کرنے کی اجازت ہونے کی خبر دی۔ [۲]

۳ــــ معلم اکبر شیخ مفیدؒ لکھتے ہیں:

جب ابوطالبؑ اپنے خالق حقیقی سے جا ملے تو امام علیؑ نے آکر رسول اکرمؐ کو اطلاع دی۔ آنحضرتؐ یہ خبر سن کر غمگین ہو گئے اور پھر امیرالمومنینؑ سے فرمایا: تم جا کے ان کے غسل' حنوط اور کفن کا انتظام کرو۔ جب انہیں دفن کرنے کے لیے تخت پر لٹا دیا جائے تو مجھے بھی اطلاع کر دینا۔

امام علیؑ نے ایسا ہی کیا اور جب ان کی میت تخت پر رکھ دی گئی تو آنحضرتؐ وہاں آئے اور بہت دکھی ہو کر فرمایا: "اے چچا! میری آپ کی

---

[۱] ابو علی فتال: روضۃ الواعظین صفحہ ۱۲۱ + اصول کافی صفحہ ۲۴۲ + شیخ صدوقؒ: معانی الاخبار + سید فخار بن معد: کتاب الحجۃ صفحہ ۸ + ابوالفتوح رازی: تفسیر جلد ۴ صفحہ ۲۱۰۔

[۲] سید فخار بن معد: کتاب الحجۃ صفحہ ۸

باہم رشتہ داری ہے اور میں امید رکھتا ہوں کہ آپ کو اس کا اچھا بدلہ ملے گا۔ کیونکہ آپ نے بچپن میں میری پرورش کی اور جب میں بڑا ہوا تو آپ میرے معاون و مددگار رہے ہیں۔

پھر آپ لوگوں سے مخاطب ہوئے اور فرمایا: "خدا کی قسم! میں اپنے چچا کی اس طرح شفاعت کروں گا کہ اس پر سارے جن اور انسان حیران رہ جائیں گے۔"

شیخ صدوق رح کی روایت کے مطابق رسول اکرم ص کے الفاظ یہ تھے:

"اے چچا! آپ یتیمی میں میرے سرپرست، بچپن میں میرے مربی اور میری جوانی میں میرے مددگار رہے ہیں —— خدائے تعالیٰ آپ کو میری طرف سے اس کا بہترین بدلہ عطا فرمائے۔" [1]

۴ —— ابوطالب ع کے لیے رسول اکرم ص کی تمنائے خیر [2]

۵ —— ابوطالب ع کی محبت میں رسول اکرم ص کا عقیل سے اظہار محبت [3]

---

[1] علی بن ابراہیم: تفسیر صفحہ ۳۵۵ + امالی شیخ صدوق رح + سید مرتضیٰ: فصول المختارہ صفحہ ۸۰ + کتاب الحجۃ صفحہ ۶۷ پر + بحار الانوار جلد ۹ صفحہ ۱۵ + سید شیرازی: درجات الرفیعہ + فتونی: ضیاء العالمین۔

[2] کتاب الحجۃ صفحہ ۱۵ + درجات الرفیعہ + دیگر حوالہ جات حاشیہ صفحہ ۱۱۶ پر ملاحظہ ہوں۔

[3] علل الشرائع، شیخ صدوق رح + الحجۃ صفحہ ۳۴ + بحار الانوار جلد ۹ صفحہ ۱۶ + دیگر حوالہ جات حاشیہ صفحہ ۱۲۱ پر ملاحظہ فرمائیں۔

۶ —— رسول اکرم ص کو اپنے والد، والدہ اور چچا —— کی شفاعت کرنے کی اجازت ہونا۔ [1]

۷ —— امام حسین ع سے روایت ہے کہ میرے والد —— امیر المومنین ع رحبہ میں تشریف فرما تھے اور لوگ آپ کے اردگرد بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک شخص نے اٹھ کر امام ع سے یوں خطاب کیا:

اے امیر المومنین ع! آپ اس وقت اس مرتبے اور مقام پہ ہیں جو خدائے تعالیٰ نے آپ کو عنایت کیا ہے جبکہ آپ کا باپ دوزخ کے عذاب میں گرفتار رہے۔

امام علیہ السلام نے جواب میں فرمایا: ایسا کہنے سے باز رہ، خدا تیرا منہ توڑ دے! مجھے قسم ہے اس کی جس نے محمد ص کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا —— اگر میرا باپ دنیا کے تمام گنہگاروں کی شفاعت کرے تو خدائے تعالیٰ اس کی شفاعت قبول کرے گا۔ کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ میرا باپ تو دوزخ کے عذاب میں گرفتار رہو اور میں اس کا بیٹا ہو کر دوسروں میں بہشت اور دوزخ تقسیم کروں؟ مجھے قسم ہے اس کی جس نے محمد ص کو حق کے ساتھ مبعوث کیا —— قیامت کے دن ابوطالب ع کا نور اپنے چمک سے دوسرے لوگوں کے نور کو مات کر دے گا، سوائے پانچ اشخاص یعنی محمد ص، علی ع، فاطمہ ع، حسن ع اور حسین ع کے نور کے جن میں ائمہ مابعد کے انوار بھی

---

[1] علی بن ابراہیم: تفسیر صفحہ ۳۵۵، ۳۹۰ + تفسیر البرہان جلد ۳ صفحہ ۷۹۴ + دیگر حوالہ جات حاشیہ صفحہ ۱۲۸ پر ملاحظہ ہوں۔

شامل ہیں۔ یاد رکھو کہ ابوطالبؑ کا نور ہمارے اس نور سے ہے جسے خدائے تعالیٰ نے آدمؑ کی پیدائش سے ہزارہا سال پہلے تخلیق فرمایا تھا۔ ۱؎

۸۔ امیرالمومنینؑ نے فرمایا:

خدا کی قسم! میرے باپ (ابوطالبؑ) اور میرے دادا عبدالمطلب نیز ہاشم اور عبدمناف نے ہرگز بتوں کی پرستش نہیں کی۔

آپ سے پوچھا گیا: پھر یہ چاروں کس کی عبادت کرتے تھے؟

آپ نے فرمایا: وہ کعبہ کی طرف منہ کرکے دین ابراہیم کے مطابق نماز ادا کرتے تھے۔ ۲؎

۹۔ ابوطفیل عامر بن واثلہ سے روایت ہے کہ امام علیؑ نے فرمایا: جب میرے والد کی وفات کا وقت قریب آیا تو رسول اکرمؐ ان کے پہلو میں تشریف فرما ہوئے۔ تب آپ نے مجھے ان کے بارے میں وہ (یعنی شفاعت کی) خبر دی جو میرے لیے دنیا اور جو کچھ اس میں ہے اس سے زیادہ قیمتی ہے۔ ۳؎

۱؎ شیخ ابوالحسن بن شاذان: مناقب المائتہ + کراجکی: کنزالفوائد صفحہ ۸۰ + ابن شیخ: امالی صفحہ ۱۹۲ + احتجاج طبرسی + ابوالفتوح رازی: تفسیر جلد ۴ صفحہ ۲۱۱ + الحجتہ صفحہ ۱۵ + درجات الرفیعہ + بحارالانوار جلد ۹ صفحہ ۱۵ + ضیاء العالمین + تفسیر البرہان جلد ۳ صفحہ ۷۹۴۔

۲؎ شیخ صدوقؒ: اکمال الدین صفحہ ۱۰۴ + ابوالفتوح رازی: تفسیر جلد ۴ صفحہ ۲۱۰ + تفسیر البرہان جلد ۳ صفحہ ۷۹۵۔

۳؎ کتاب الحجتہ صفحہ ۲۳ + فتونی: ضیاء العالمین۔

۱۰۔ امیرالمومنینؑ نے فرمایا:

ابوطالبؑ دنیا سے نہیں گئے مگر اس وقت جب رسول اکرمؐ نے ان سے اپنی خوشنودی ظاہر فرما دی تھی۔

۱۱۔ شعبی لکھتا ہے کہ امیرالمومنینؑ نے فرمایا:

خدا کی قسم! ابوطالبؑ مسلم اور مومن تھے، وہ بنی ہاشم کے ساتھ قریش کی دشمنی اور کینہ کے پیش نظر اپنے ایمان کو پوشیدہ رکھتے تھے۔

ابوعلی موضح بھی ایمان ابوطالبؑ کے اثبات میں امام علی کا وہ مرثیہ پیش کرتا ہے جو آپ نے اپنے والد ماجد کی وفات پر کہا اور ہم نے وہ پاکیزہ کلمات کے تحت نقل کیا ہے۔ ۱؎

۱۲۔ امیرالمومنینؑ سے اصبغ بن نباتہ کی روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک دن جب رسول اکرمؐ کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے، ابن زبعری نے خون اور گوبر لاکر آپ کے چہرے اور کپڑوں پر مل دیا۔ اس کے بعد ابوطالبؑ وہاں آئے اور آپ کو دیکھ کر کہنے لگے: اے محمدؐ! آپ پیغمبرؐ ہیں، آپ سید، سردار اور نیکوکار ہیں۔ پھر انہوں نے پوچھا: یہ سب کس نے کیا ہے؟

آنحضرتؐ نے فرمایا: عبداللہ ابن زبعری نے!

تب ابوطالبؑ ان لوگوں کی طرف گئے اور انہوں نے بھی ابن زبعری اور ان کے ساتھیوں کے چہروں اور کپڑوں پر خون

۱؎ کتاب الحجتہ صفحہ ۲۴ + دیگر حوالہ جات حاشیہ ۱؎ صفحہ ۱۳۰ پر ملاحظہ ہوں۔

اور گوبر مل دیا۔ اس کے ساتھ ہی انہیں سختی سے ڈانٹا۔ [1]

۱۳ــــ امام علیؑ نے فرمایا: ایک بار ابوطالب اچانک میرے اور رسول اکرمؐ کے پاس پہنچے جب کہ ہم سجدے میں تھے۔ انہوں نے کہا: کیا تم وہ (نماز) بجالائے؟ پھر میرا ہاتھ پکڑ کر کہا: خیال رکھو کہ تم کس طرح اس (پیغمبرؐ) کا ساتھ دینا ہے اور پھر مجھے اس کی تشویق اور ترغیب دینے لگے۔ [2]

۱۴ــــ روایت کی گئی ہے کہ امیرالمومنینؑ سے پوچھا گیا: "رسول اکرمؐ سے پہلے زمانے کا آخری وصی کون تھا؟"

امام علیہ السلام نے فرمایا: "میرا باپ!" [3]

۱۵ــــ امام سجادؑ سے کہا گیا کہ کیا ابوطالبؑ ایمان لائے تھے یا نہیں؟

امامؑ نے فرمایا: "ہاں! وہ ایمان لائے تھے۔"

کہا گیا کہ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ وہ کافر تھے۔

امامؑ نے فرمایا: "بڑی عجیب بات ہے! کیا ایسا کہنے سے ان کا مقصد ابوطالبؑ یا رسول اکرمؐ پر طعنہ زنی کرنا ہے؟ حالانکہ خدائے تعالیٰ نے ایک مومنہ عورت کو کافر مرد کے نکاح میں رہنے

---

[1] کتاب الحجۃ صفحہ ۱۰۶ + صفوری: نزہۃ المجالس جلد ۲ صفحہ ۱۲۲ + حمودی: ثمرات الاوراق جلد ۲ صفحہ ۳ + اس کتاب کا صفحہ ۸۷-۸۸ بھی دیکھیں۔

[2] شرح الاخبار ابن فیاض + ضیاء العالمین فتونی۔

[3] ضیاء العالمین فتونی۔

دینے سے منع فرمایا اور یہ بات قرآن مجید کی ایک سے زیادہ آیات میں بیان فرمائی ہے۔ پھر کسی کو اس بات میں بھی شک نہیں کہ امام علیؑ کی والدہ ــــ **فاطمہ بنت اسدؑ** ــــ سب سے پہلے ایمان لانے والی عورتوں میں سے تھیں اور جب تک ابوطالبؑ زندہ رہے وہ انہی کے گھر میں تھیں، اس بنا پر ابوطالبؑ کافر ہو ہی نہیں سکتے۔ [1]

۱۶ــــ ابوبصیر لیث مرادی کا کہنا ہے کہ میں نے امام باقرؑ سے پوچھا: میرے سردار! لوگ کہتے ہیں کہ ابوطالبؑ جہنم کے ایک گڑھے میں ہے۔ جس کی گرمی سے اس کا مغز جوش کھا رہا ہے۔

امامؑ نے فرمایا: خدا کی قسم! وہ جھوٹ کہتے ہیں۔ اگر ابوطالبؑ کا ایمان ترازو کے ایک پلڑے میں اور ان لوگوں کا ایمان دوسرے پلڑے میں رکھا جائے تو ابوطالبؑ کا ایمان بھاری رہے گا۔ [2]

۱۷ــــ امام صادقؑ کا یہ ارشاد کہ ابوطالبؑ کے ایمان کی مثال اصحاب کہف کے ایمان کی سی ہے۔ [3]

۱۸ــــ اسحاق نے اپنے باپ جعفر سے روایت کی ہے کہ امام صادقؑ

---

[1] کتاب الحجۃ صفحہ ۲۴ + درجات الرفیعہ + ضیاء العالمین۔

[2] 〃 〃 صفحہ ۱۸ + 〃 〃 + 〃 〃 -

[3] اصول کافی صفحہ ۲۴۴ + امالی شیخ صدوقؒ صفحہ ۳۶ + روضۃ الواعظین صفحہ ۱۲۱ + کتاب الحجۃ صفحہ ۱۱۵۔ نیز یہی حدیث تغیر لفظی کیساتھ ان کتابوں میں بھی ہے: بحارالانوار جلد ۹ صفحہ ۲۴ + ابوالفتوح رازی: تفسیر جلد ۴ صفحہ ۲۱۲ + درجات الرفیعہ + ضیاء العالمین۔

سے کہا گیا: کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ابوطالبؑ کافر تھے۔

امامؑ نے فرمایا: وہ لوگ جھوٹے ہیں اور ایسا کیونکر ہو سکتا ہے جبکہ ابوطالبؑ نے کہا ہے:

کیا تم نہیں جانتے کہ ہم محمدؐ کو ایک رسولؐ سمجھتے ہیں
موسیٰؑ جیسا کہ جس کا ذکر پہلی کتابوں میں بھی ہے۔

یہ حدیث بہت سے محدثین نے اپنی کتابوں میں روایت کی ہے۔ [1]

۱۹۔۔۔ ایک روایت کے مطابق کچھ لوگوں کے ابوطالبؑ کو کافر کہنے کے جواب میں امام صادقؑ نے یوں فرمایا:

ابوطالبؑ کیونکر کافر ہو سکتے ہیں جبکہ انہوں نے کہا: وہ ضرور جانتے ہیں کہ ہماری طرف سے ہمارے فرزند محمدؐ کی تکذیب نہیں ہوئی۔

اور ہم اس کے بارے میں شیطانوں کی باتوں پر توجہ نہیں دیتے۔
محمدؐ وہ معصوم ہے جس کا چہرہ دیکھ کر ابر پانی سے بھر جاتا ہے
وہ یتیموں کی جائے پناہ اور بیوہ عورتوں کا نگہبان ہے [2]

۲۰۔۔۔ امام صادقؑ کے قول کے مطابق ابوطالبؑ نے قریش کو وصیت کی کہ تمہارے درمیان ایک قابل اطاعت پیشوا، دلاور سردار اور عفو و درگزر کرنے والا ہادی (محمدؐ) موجود ہے۔ [3]

---

[1] اصول کافی صفحہ ۲۴۴ [2] اصول کافی صفحہ ۲۴۴ + تفسیر البرہان۔۳۔ صفحہ ۷۹۵۔
[3] روضۃ الواعظین صفحہ ۱۲۱ + بحار الانوار جلد ۹ صفحہ ۲۳ + دیگر حوالہ جات اس کتاب کے صفحہ ۱۰۴ پر حاشیہ ۱ میں ملاحظہ ہوں۔

۲۱۔۔۔ محمد بن مروان سے روایت ہے کہ امام صادقؑ نے فرمایا: ابوطالب ظاہراً کفر پر رہتے ہوئے اپنے ایمان کو پوشیدہ رکھتے تھے۔ جب ان کی وفات کا وقت آیا تو خدائے تعالیٰ نے اپنے پیغمبرؐ کو وحی بھیجی کہ مکہ چھوڑ دو۔ کیونکہ ابوطالبؑ کے بعد اس شہر میں تمہیں کوئی معاون و مددگار نہیں ملے گا۔ چنانچہ اسی حکم الٰہی کے تحت آنحضرتؐ نے مدینہ کی جانب ہجرت فرمائی تھی۔ [1]

یہ بات رسول اکرمؐ کی نبوت پر یقین و تحقیق کے ساتھ ابوطالبؑ کے ایمان اور ان کے کار تبلیغ کو تقویت دینے کا ثبوت ہے۔ [2]

جب ابوطالبؑ فوت ہو گئے تو جبرئیل رسول اکرمؐ پر نازل ہوئے اور کہا کہ خدائے تعالیٰ آپ کو سلام بھیجتا ہے اور فرماتا ہے: آپ کی قوم (قریش) نے باہم طے کر لیا ہے کہ وہ رات کے وقت آپ کو گھر ہی میں قتل کر دیں۔ چونکہ اب آپ کے حامی اور مددگار ابوطالبؑ فوت ہو چکے ہیں، اس لیے آپ مکہ چھوڑ جائیں۔ اس طرح خدا نے آپ کو مکہ سے ہجرت کرنے کا حکم دیدیا۔

آپ اس حدیث پر تھوڑی توجہ دیں اور دیکھیں کہ خدائے تعالیٰ نے اس بات کی گواہی دی ہے کہ ابوطالبؑ، رسول اکرمؐ کے مددگار تھے اور یہ گواہی ان کے لیے انتہائی عزت اور فخر کا موجب ہے۔ [3]

---

[1] شیخ صدوق رحؒ: اکمال الدین صفحہ ۱۰۳ + کتاب الحجۃ صفحہ ۳۰
[2] سید مرتضیٰ: فصول المختارہ صفحہ ۸۰
[3] " " " " صفحہ ۱۰۳

۲۲— یونس بن نباتہ سے روایت ہے کہ امام صادقؑ نے مجھ سے پوچھا: اے یونس! عام لوگ ابوطالبؑ کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔

میں نے کہا: قربان جاؤں! لوگ کہتے ہیں کہ وہ دوزخ کے ایک گڑھے میں ہیں اور اس میں ان کا جسم یا سر جوش کھا رہا ہے۔

امامؑ نے فرمایا: وہ اللہ کے دشمن —— جھوٹے ہیں۔ کیونکہ ابوطالبؑ، انبیاءؑ، صدیقین، شہداء اور صالحین کے ساتھیوں میں ہیں اور وہ بہترین ساتھی ہیں۔ ؎۱

۲۳— شیخ صدوقؒ —— داؤد رقی سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا:

میں ابا عبداللہ امام صادقؑ کی خدمت میں حاضر ہوا جب کہ میں نے ایک شخص سے قرضہ وصول کرنا تھا اور مجھے ڈر تھا کہ وہ اس کی ادائیگی میں تاخیر کرے گا، پس میں نے امامؑ سے اپنی اس پریشانی کا ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا: جب تم مکہ جاؤ تو عبدالمطلب کی نیابت میں کعبہ کا طواف کرو اور ان کی طرف سے دو رکعت نماز پڑھو۔ علاوہ ازیں ابوطالب بن عبدالمطلب، عبداللہ بن عبدالمطلب، فاطمہ بنت اسد اور آمنہ بنت وہب کی نیابت میں بھی طواف کرو اور ان میں سے ہر ایک کی جانب سے دو رکعت نماز ادا کرو۔ پھر خدا سے دعا کرو کہ تمہارا مال تمہیں وصول ہو جائے۔ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا اور بعد ازاں جب میں باب صفا سے نکل رہا تھا تو میں نے اپنے مقروض کو دیکھا کہ وہاں کھڑا کہہ رہا ہے:

؎۱ کراجکی: کنز الفوائد صفحہ ۸۰ + کتاب الحجۃ صفحہ ۷۱ + ضیاء العالمین

"اے داؤد! میرے پاس آؤ اور مجھ سے اپنا مال لے لو"۔ ؎۱

۲۴— امام صادقؑ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا:

رسول اکرمؐ مسجد الحرام میں تھے اور آپ نے نیا لباس پہن رکھا تھا۔ مشرکین اونٹنی کی بچہ دانی لائے اور آنحضرتؐ کے کپڑے آلودہ کر دیے۔ آنحضرتؐ اسی حالت میں ابوطالبؑ کے پاس گئے اور پوچھا: چچا جان! آپ لوگوں میں میرا رتبہ کیسا ہے؟

ابوطالبؑ نے کہا: میرے بھتیجے! کیا بات ہوئی ہے؟

آنحضرتؐ نے سارا قصہ سنایا تو ابوطالبؑ نے حمزہ کو بلایا، تلوار اٹھائی اور کہا: اونٹنی کی یہ بچہ دانی اٹھا لو۔ پھر وہ دونوں ان لوگوں کی جانب چلے جب کہ رسول اکرمؐ بھی ان کے ہمراہ تھے۔ وہ قریش کے پاس جا پہنچے۔ جبکہ وہ خانہ کعبہ کے اردگرد موجود تھے۔ جونہی قریش کی نظر ابوطالب پر پڑی، انھوں نے محسوس کیا کہ وہ لڑائی پر آمادہ ہیں۔ ابوطالبؑ نے حکم دیا کہ اونٹنی کی بچہ دانی ان کی مونچھوں پر مل دو۔ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ حتیٰ کہ وہ آخری شخص تک پہنچ گئے۔ پھر ابوطالبؑ نے رسول اکرمؐ کو مخاطب کر کے کہا: "یہ ہے ہم لوگوں میں آپ کا حسب اور حیثیت!" ؎۲

۲۵— ابوالفرج اصفہانی سے روایت ہے کہ امام صادقؑ نے فرمایا:

امام علیؑ اپنے والد ابوطالبؑ کے اشعار جمع کرنے اور پڑھے جانے پر خوش ہوتے تھے۔ جیسا کہ آپ نے اس سلسلے میں فرمایا: ان اشعار کو پڑھو اور اپنے فرزندوں کو پڑھاؤ، کیونکہ ابوطالبؑ خدا کے دین کے

؎۱ کتاب الحجۃ صفحہ ۲۲ + بحار الانوار جلد ۹ صفحہ ۲۴ ؎۲ اصول کافی ۲۴۴

معتقد اور اس کا وسیع علم رکھتے تھے۔[1]

۲۶ــــ شیخ صدوقؒ نے نقل کیا ہے کہ امام صادقؑ نے فرمایا:

رسول اکرمؐ کی پہلی نماز جماعت میں امام علیؑ ان کی اقتدا کر رہے تھے۔ اس وقت ابوطالبؑ اور ان کے بیٹے جعفرؓ ان کے پاس سے گزرے۔ تب ابوطالبؑ نے جعفرؓ سے کہا: اپنے چچا کے بیٹے (محمدؐ) کے ساتھ ہو جاؤ اور ان کی بائیں جانب کھڑے ہو کر نماز پڑھو! پھر انہوں نے یہ کہا: بیشک علیؑ اور جعفرؓ میرے اعتماد اور بھروسے کے قابل ہیں جبکہ زمانے کی تکلیفیں اور مصیبتیں آئی ہوئی ہوں۔[2]

۲۷ــــ درست بن ابی منصور سے روایت ہے کہ میں نے امام کاظمؑ سے سوال کیا: کیا ابوطالبؑ، رسول اکرمؐ پر حجیت کا مقام رکھتے تھے؟

امامؑ نے فرمایا: نہیں! لیکن کچھ وصیتیں جو ان تک بطورِ امانت آئی ہوئی تھیں وہ انہوں نے رسول اکرمؐ کو پہنچا دی تھیں۔

میں نے پوچھا: کیا وہ وصیتیں رسول اکرمؐ کو پہنچانے کی وجہ یہ نہ تھی کہ وہ (ابوطالبؑ) آنحضرتؐ پر حجت تھے؟

---

[1] کتاب الحجۃ صفحہ ۲۵ + بحار الانوار جلد ۹ صفحہ ۲۴ + ضیاء العالمین۔

[2] امالی شیخ صدوقؒ صفحہ ۳۰۴ + ابوالفتوح رازی: تفسیر جلد ۲ صفحہ ۲۱۱ + دیگر حوالہ جات اس کتاب کے صفحہ ۸۴ پر حاشیہ [1] میں ملاحظہ فرمائیں۔

آپ نے فرمایا: اگر ابوطالبؑ کو رسول اکرمؐ پر حجیت کا مقام حاصل ہوتا تو وہ مذکورہ وصیتیں ان کو نہ پہنچاتے، تب میں نے پوچھا: پھر ابوطالبؑ کی حیثیت کیا تھی؟ امامؑ نے فرمایا: وہ رسول اکرمؐ اور ان کی رسالت پر ایمان لائے اور وہ وصیتیں جو ان تک آئی ہوئی تھیں، انہوں نے رسول اکرمؐ کے سپرد کر دیں اور اسی دن فوت ہو گئے۔[1]

علامہ امینی کہتے ہیں:

یہ ایمان سے بھی بلند مقام ہے، جیسا کہ اس سے پیشتر امیرالمومنینؑ کے ایمان کے ضمن میں انہی سے نقل ہو چکا ہے اور جس سے نہ صرف ابوطالبؑ کا ایمان بلکہ اپنے زمانے میں ان کے لیے حجیت اور ولایت کا مقام بھی ثابت ہوتا ہے۔[2] چنانچہ یہ معاملہ اتنی قوت حاصل کر گیا تھا کہ امامؑ سے سوال کرنے والا یہ سمجھنے لگا، گویا رسول اکرمؐ کی بعثت سے پہلے ابوطالبؑ آنحضرتؐ پر حجیت کا مقام رکھتے تھے۔ لیکن امام کاظمؑ اس بات کی نفی کرتے ہوئے ابوطالبؑ کے لیے مقام وصایت و ولایت کی توثیق کرتے ہیں۔ پھر فرماتے ہیں کہ ابوطالبؑ، حضرت ابراہیمؑ کے پاک دین پر تھے، حتیٰ کہ جمال محمدیؐ کا آفتاب چمکا اور ابوطالبؑ نے وہ وصیتیں ان کے سپرد کر دیں، نیز اس سے پیشتر ابوطالبؑ کے عظیم فرزند ـــــ امام علیؑ

---

[1] اصول کافی صفحہ ۲۴۲۔

[2] اس کتاب کے صفحہ ۷۸ تا ۸۱ پر "ابوطالبؑ کی اپنے بیٹے علیؑ کو ہدایت" کا مضمون ملاحظہ کریں۔

کی ولایت کی طرف بھی اشارہ کیا جا چکا ہے۔

۲۸۔ امام رضا علیہ السلام کے نام ابان بن محمد کا خط اور امامؑ کا یہ جواب کہ اگر تم ایمان ابوطالبؑ کے قائل نہیں تو تمہارا ٹھکانہ دوزخ میں ہوگا۔ [۱]

۲۹۔ مفسر رازی امام رضاؑ کا قول نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ امامؑ کے آباؤ اجداد سے بھی کئی طریقوں سے مروی ہے کہ ابوطالبؑ کی انگشتری کا نقش یہ تھا:

رَضِيتُ بِاللّٰهِ رَبّاً وَبِابْنِ اَخِي مُحَمَّدٍ نَبِيّاً
وَبِابْنِيْ عَلِيٍّ وَصِيّاً [۲]

۳۰۔ شیخ صدوق اپنی اسناد کے ساتھ نقل کرتے ہیں:

جب عبدالعظیم بن عبداللہ حسنی العلوی بیمار ہوئے تو انھوں نے امام رضاؑ کو ایک خط لکھا جس کا مضمون یہ تھا: اے فرزند رسول! بعض لوگ کہتے ہیں کہ ابوطالبؑ جہنم کے ایک گڑھے میں پڑے ہیں جس میں ان کا مغز جوش کھا رہا ہے۔ آپ میرے لیے اس بات کی وضاحت فرمائیں۔

امامؑ نے ان کے جواب میں تحریر فرمایا:

---

[۱] کنز الفوائد صفحہ ۸۰ + کتاب الحجۃ صفحہ ۱۶ + بحار الانوار جلد ۹ صفحہ ۳۳ + ضیاء العالمین + نیز اس کتاب کے صفحہ ۳۴ پر کلمات امام رضاؑ بھی ملاحظہ کریں۔

[۲] ابوالفتوح رازی: تفسیر جلد ۴ صفحہ ۲۱۱ + درجات الرفیعہ + محبوب القلوب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ امابعد ــــ اگر تم ایمان ابوطالبؑ کے بارے میں شک میں مبتلا ہو گئے تو تمہارا ٹھکانا جہنم ہوگا۔ [۱]

۳۱۔ شیخ صدوقؒ اپنی اسناد کے ساتھ امام حسن عسکریؑ سے اور وہ اپنے آباء طاہرینؑ سے ایک طویل حدیث نقل کرتے ہیں:

خداوند تبارک وتعالیٰ نے اپنے پیغمبرؐ کو خطاب کرتے ہوئے وحی بھیجی کہ میں نے تمہارے پیروکاروں کے دو دستوں کے ذریعے تمہاری مدد کی ہے۔ ایک وہ دستہ ہے جو پوشیدہ طور پر تمہاری مدد کرتا ہے اور دوسرا وہ ہے جو کھلم کھلا تمہاری حمایت کرتا ہے۔ جو لوگ پوشیدہ طور پر تمہاری مدد کرتے ہیں ان میں سب سے بلند مرتبہ اور ان کا سردار تمہارا چچا ابوطالبؑ ہے اور جو گروہ علانیہ تمہاری حمایت کرتا ہے اس میں سے عالی مرتبت اس کا بیٹا علیؑ ہے۔ پھر فرمایا: ابوطالبؑ مومن آل فرعون کی مانند ہے جو اپنے ایمان کو پوشیدہ رکھتا تھا۔ [۲]

۳۲۔ شیخ صدوقؒ ــــ اعمش سے، وہ عبداللہ بن عباس سے اور وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا:

ابوطالبؑ نے رسول اکرمؐ سے پوچھا: اے میرے بھتیجے! کیا خدا نے تمہیں پیغمبرؐ بنا کر بھیجا ہے؟

آنحضرتؐ نے فرمایا: جی ہاں!

---

[۱] کتاب الحجۃ صفحہ ۱۶ + ضیاء العالمین

[۲] " " صفحہ ۱۱۵ + " " "

ابوطالبؑ نے کہا: پھر تم مجھے اس کی کوئی نشانی دکھاؤ۔
آنحضرتؐ نے فرمایا: آپ اس درخت کو میری طرف بلائیں۔
ابوطالبؑ نے ایسا ہی کیا۔ درخت آگے بڑھا حتیٰ کہ اس نے رسول اکرمؐ کے سامنے آکر سجدہ کیا اور پھر واپس ہوگیا۔ ابوطالبؑ نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ تم دعوائے نبوت میں سچے ہو، اے علیؑ! تم اپنے چچازاد بھائی (محمدؐ) کے ساتھ نماز پڑھا کرو۔ [1]

یہ حدیث اس عبارت کے ساتھ بھی مروی ہے:

ابوطالبؑ نے قریش پر رسول اکرمؐ کی فضیلت ظاہر کرنے کے لیے ان کے مجمع میں آنحضرتؐ سے یوں خطاب کیا: اے میرے بھتیجے! کیا خدا نے تمہیں (اپنا رسولؐ بنا کر) بھیجا ہے؟ آنحضرتؐ نے فرمایا: جی ہاں! ابوطالبؑ نے کہا: ہر پیغمبر کا کوئی معجزہ اور خارق العادۃ عمل ہوتا ہے، تم بھی ہمیں کوئی نشانی دکھاؤ۔ رسول اکرمؐ نے فرمایا: آپ اس درخت کو یہ کہہ کر بلائیں: محمد بن عبداللہ کہتا ہے کہ تو خدا کے اذن سے میری طرف آ! ابوطالب نے ایسا ہی کیا اور درخت آگے بڑھا حتیٰ کہ اس نے آنحضرتؐ کو سجدہ کیا۔ پھر آنحضرتؐ نے اسے واپس جانے کا حکم دیا اور وہ واپس چلا گیا۔ ابوطالبؑ نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ تم دعوائے نبوت میں سچے ہو۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے اپنے بیٹے علیؑ کو مخاطب کرکے کہا: میرے بیٹے! اپنے چچازاد بھائی سے وابستہ ہو جاؤ۔ [2]

۱؎ امالی شیخ صدوقؒ صفحہ ۳۶۵
۲؎ روضۃ الواعظین صفحہ ۱۲۱ + کتاب الحجۃ صفحہ ۲۵۔

۳۳ــــ سعید بن جبیر سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عبداللہ بن عباس سے پوچھا: اے رسولؐ کے چچیرے بھائی! مجھے بتائیں کہ آیا ابوطالبؑ مسلمان تھے؟

انہوں نے کہا: ابوطالب کی مثال اصحاب کہف کی سی ہے جنہوں نے اپنے ایمان کو پوشیدہ رکھا اور شرک ظاہر کیا ــــ پس خدا نے ان کو دگنا اجر دیا۔ [1]

۳۴ــــ عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ رسول اکرمؐ کعبہ میں نماز ظہر پڑھ رہے تھے اور امام علیؑ ان کی داہنی طرف تھے۔ تب ابوطالبؑ وہاں سے گزرے جبکہ جعفرؓ ان کے ساتھ تھے۔ پس انہوں نے (اپنے بیٹے) جعفرؓ سے کہا:

اپنے ابن عم (محمدؐ) کے ساتھ نماز پڑھو۔ جعفر کے آنے پر علیؑ رسول اکرمؐ کے پیچھے کھڑے ہوگئے۔ جب نماز ادا ہو چکی تو ابوطالبؑ نے چند اشعار کہے جن میں سے ایک یہ ہے:

بے شک علیؑ اور جعفرؓ میرے اعتماد اور بھروسے کے قابل ہیں
جب کہ زمانے کی تکلیفیں اور مصیبتیں آئی ہوئی ہوں [2]

۳۵ــــ عکرمہ نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: میرے باپ نے مجھے خبر دی کہ ابوطالبؑ نے اپنی وفات کے وقت خدا

۱؎ امالی شیخ صدوقؒ صفحہ ۳۶۶ + کتاب الحجۃ صفحہ ۹۴، ۱۱۵۔
۲؎ روضۃ الواعظین صفحہ ۱۲۳ + کتاب الحجۃ صفحہ ۵۹ + کنز الفوائد۔

کی وحدانیت اور رسول اکرمؐ کی رسالت کی گواہی دی۔[1]

۳۶۔ ابوذر غفاری سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا:

اس خدا کی قسم کہ جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں ــــ ابوطالبؑ دنیا سے نہیں گئے مگر اس وقت جب انہوں نے حبشی زبان میں اپنے اسلام کا اظہار کیا اور رسول اکرمؐ سے کہا: کیا آپ حبشی زبان جانتے ہیں؟ آنحضرتؐ نے فرمایا: چچاجان! خدا نے مجھے تمام زبانیں سکھا دی ہیں۔ تب ابوطالبؑ نے کہا: یا محمدؐ! "اسدن لمصاقاقاطالاھا" یعنی میں پورے خلوص سے گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ اس پر رسول اکرمؐ رو پڑے اور فرمایا: خدا نے ابوطالبؑ (کے اسلام) سے میری آنکھیں روشن کر دی ہیں۔[2]

ابوطالبؑ نے حبشی زبان میں عقیدۂ توحید کی شہادت دینا پسند کی تھی۔ تاہم یہ عمل انہوں نے اس سے پہلے بہت سے مواقع پر ایک اور زبان میں شہادت دینے کے بعد کیا۔ اس بارے میں شیخ ابوالحسن شریف فتونی نے اپنی گرانقدر کتاب "ضیاء العالمین" میں مفصل بحث کی ہے، جو امامت کے موضوع پر ایک بہترین کتاب ہے۔

۳۷۔ فاطمہ بنت اسد سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا:

عبدالمطلب کی وفات کے بعد ان کی وصیت کے مطابق ابوطالبؑ

---

[1] ضیاء العالمین

[2] تفسیر وکیع + ضیاء العالمین

نے رسول اکرمؐ کی سرپرستی سنبھالی اور ان کے ساتھ میں بھی ان کی خدمت کرنے لگی۔ ہمارے گھر کے باغ میں کھجور کے چند درخت تھے اور تازہ کھجوروں کا موسم آیا ہوا تھا۔ میں ہر روز دو مٹھی کھجوریں آنحضرتؐ کے لیے چنتی اور میری باندی بھی میرے ساتھ ہوتی تھی۔ اتفاق سے ایک دن میں ان کے لیے کھجوریں چننا بھول گئی اور باندی کو بھی یاد نہ رہا۔ آنحضرتؐ سوئے ہوئے تھے اور جو پکی ہوئی کھجوریں درخت پر سے گریں وہ دوسرے بچے چن کر لے گئے تھے۔ اس وقت تک جب رسول اکرمؐ جاگ اٹھیں ــــ میں بھی شرمندگی کے مارے اپنا منہ چھپائے سوئی رہی۔ پھر وہ جاگے اور باغ میں گئے تو انہیں زمین پر کوئی کھجور نظر نہ آئی۔ تب انھوں نے کھجور کے درخت کو اشارہ کیا اور فرمایا: اے درخت! مجھے بھوک لگی ہے۔ اس وقت میں نے دیکھا جن شاخوں پر کھجوریں لگی تھیں وہ درخت نے نیچے جھکا دیں۔ پھر جب آنحضرتؐ نے اپنی خواہش کے مطابق کھجوریں کھا لیں تو وہ شاخیں دوبارہ اوپر اٹھ گئیں۔ میں یہ دیکھ کر حیران رہ گئی اور ابوطالبؑ اس وقت گھر پر نہیں تھے۔ جب وہ آئے اور انہوں نے دروازہ کھٹکھٹایا تو میں ننگے پاؤں ہی بھاگ کے گئی، دروازہ کھولا اور جو کچھ دیکھا تھا وہ انہیں کہہ سنایا۔ ابوطالب نے کہا: بلاشبہ وہ (محمدؐ) پیغمبر ہوگا اور تمہارے یائسہ ہو جانے کے بعد تم سے ایک بچہ ہوگا جو اس کا وزیر بنے گا اور پھر جیسا کہ انہوں نے کہا تھا ــــ میں نے علیؑ کو جنم دیا۔[1]

---

[1] قطب راوندی: الخرائج والجرائح

۳۸۔۔۔ ابوطالبؑ اپنے والد عبدالمطلب سے روایت کرتے ہیں:

ایک بار جب میں حجر اسماعیل کے پاس سو رہا تھا تو میں نے ایک خواب دیکھا کہ جس نے مجھے ڈرا دیا۔ میں قریش کی کاہنہ کے پاس گیا جب کہ میں سمور کی بڑی سی ردا۔ اوڑھے تھا اور میرے گھنے بال میرے کندھوں پر بکھرے ہوئے تھے۔ اس عورت نے مجھ پر نگاہ ڈالی تو میرے چہرے پر پریشانی کے آثار پائے کیونکہ میں قوم کا سردار تھا' اس لیے وہ احترام میں کھڑی ہوگئی اور کہنے لگی: عرب کے سردار کا یہ کیسا حال ہے کہ اس کے چہرے کا رنگ بدل سا گیا ہے؟ کیا زمانے کی گردش نے اس پر عرصۂ حیات تنگ کر رکھا ہے؟

میں نے کہا: ہاں! اس لیے کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میری پشت سے ایک درخت اگا کہ جس کا سر آسمان کو چھو رہا تھا اور اس کی شاخیں مشرق سے مغرب تک پھیلی ہوئی تھیں۔ پھر میں نے ایک نور دیکھا جو اس درخت میں سے چمک رہا تھا اور سورج کے نور سے ستر گنا زیادہ روشن تھا۔ نیز میں نے یہ بھی دیکھا کہ عرب و عجم کے لوگ اس درخت کو سجدہ کر رہے ہیں اور ہر روز اس کی روشنی اور عظمت بڑھ رہی ہے۔ علاوہ ازیں میں نے قریش کے ایک گروہ کو دیکھا ہے کہ وہ اس درخت کو جڑ سے اکھاڑنا چاہتا تھا۔ لیکن جب وہ لوگ اس کے نزدیک پہنچے ایک جوان جو سب سے زیادہ خوش شکل اور خوش لباس تھا' اس نے انہیں پکڑا' ان کی کمریں توڑ دیں اور آنکھیں نکال لیں۔ پھر میں نے بھی اس درخت کی شاخوں کو پکڑنے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ لیکن اس جوان نے بلند آواز سے کہا: اپنا ہاتھ ہٹاؤ کہ تمہارا اس درخت میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ میں نے کہا: یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ درخت تو مجھ سے

اُگے اور میں ہی اس سے محروم رہ جاؤں!

اس جوان نے کہا: اس درخت میں ان لوگوں کا حصہ ہے جو اس سے وابستہ ہو گئے ہیں اور اس کی طرف توجہ رکھتے ہیں۔ ان واقعات کے بعد میں خوفزدہ ہو کر نیند سے جاگ اٹھا جبکہ میرا رنگ بدل چکا تھا۔

اس گفتگو کے بعد میں نے دیکھا کہ اس کاہنہ کا رنگ بھی بدل گیا اور وہ کہنے لگی: اگر تم نے سچ کہا ہے تو تمہاری نسل سے ایک فرزند پیدا ہونیوالا ہے جو لوگوں میں پیغمبر کی حیثیت سے مبعوث ہوگا اور دنیا کے مشرق و مغرب کا مالک بن جائے گا۔

کاہنہ کی طرف سے اس جواب کے بعد میرا غم اور میری پریشانی دور ہوگئی۔

عبدالمطلب نے مزید کہا: ابو طالبؑ! ذرا غور کرو کہ شاید وہ درخت اور وہ فرزند تمہی تو نہیں ہو؟

جب ابو طالبؑ نے یہ داستان دہرائی تو رسول اکرمؐ نے فرمایا: خدا کی قسم! وہ درخت ۔۔۔۔ صادق و امین' ابو القاسم محمدؐ ۔۔۔ ہے۔

۳۹۔۔۔ ابو علی موضح اپنی اسناد کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ابو طالبؑ کی وفات کے وقت تک رسول اکرمؐ پر نماز میت کے احکام نازل نہیں ہوئے تھے۔ اس لیے آنحضرتؐ نے اور خدیجہؑ کی نماز جنازہ نہیں پڑھی۔ جب ابو طالبؑ کا جنازہ اٹھایا گیا تو رسول اکرمؐ، علیؑ، جعفرؓ اور حمزہؓ جو بیٹھے ہوئے تھے ۔۔۔ اٹھ کھڑے ہوئے۔ انہوں نے جنازے کی تشییع کی اور ابو طالب کے لیے مغفرت کی دعا مانگی۔

کچھ لوگوں نے کہا: ہم اپنے مرنے والے ان رشتہ داروں کے لیے

جو مشرک ہوں، مغفرت طلب کیا کرتے ہیں۔ یہ بات کہہ کر وہ سمجھ رہے تھے کہ ابوطالبؑ دنیا سے حالتِ شرک میں گئے ہیں، کیونکہ وہ اپنے ایمان کو پوشیدہ رکھتے تھے۔ راوی مزید کہتا ہے: لیکن خدائے تعالیٰ نے قرآن مجید کی اس آیت کے ذریعے میرے باپ (ابوطالبؑ) کے بارے میں شرک کے گمان کی نفی فرمادی ہے، نیز رسول اکرمؐ اور مذکورہ بالا اشخاص کا دامن بھی پاک کر دیا ہے:

"پیغمبرؐ اور مومنوں کے لیے مناسب نہیں کہ مشرکوں کے
لیے مغفرت کی دعا مانگیں، اگرچہ وہ (مشرک) ان کے رشتہ دار
ہی کیوں نہ ہوں"۔ (سورۂ توبہ۔ آیت ۱۱۳)

پس جو شخص ابوطالبؑ کے کفر کا معتقد ہو وہ درحقیقت رسول اکرمؐ کی خطا کا حکم لگاتا ہے، حالانکہ خدائے تعالیٰ انہیں قول و فعل کے لحاظ سے پاک اور منزہ قرار دیتا ہے۔

ابوالفرج اصفہانی اپنی اسناد کے ساتھ محمد بن حمید سے اور وہ اپنے باپ سے نقل کرتا ہے:

ابوالجہم بن حذیفہ نے پوچھا: کیا رسول اکرمؐ نے ابوطالبؑ کی نماز جنازہ پڑھی تھی؟

میں نے کہا: ان دنوں نماز جنازہ تھی ہی کہاں؟ وہ تو ابوطالبؑ کی وفات کے بعد واجب ہوئی ہے۔ تاہم رسول اکرمؐ اپنے چچا ابوطالبؑ کی وفات پر سخت غمگین ہوئے اور آپ نے امام علیؑ کو ان کی تدفین کا حکم دیا تھا۔ پھر آپ خود بھی جنازے پر پہنچے۔ نیز عباس اور ابوبکر نے بھی ان

(ابوطالبؑ) کے ایمان پر گواہی دی اور میں (راوی) بھی ان دونوں کی گواہی کے درست ہونے پر گواہ ہوں۔ کیونکہ ابوطالبؑ اپنے ایمان کو پوشیدہ رکھتے تھے اور اگر وہ اسلام کی شہرت اور غلبے کے وقت تک زندہ رہتے تو یقیناً اپنے ایمان کو ظاہر کرتے۔ [1]

۴۰۔۔۔ مقاتل سے یہ قول نقل کیا گیا ہے:

جب قریش نے دیکھا کہ رسول اکرمؐ کی تبلیغ اور دعوت پھیلنے لگی ہے اور اکثر لوگ ان کے دین کو قبول کررہے ہیں تو انہوں نے کہا: محمدؐ نے غرور اور تکبر کے علاوہ کچھ بھی حاصل نہیں کیا اور وہ یقیناً جادوگر ہے یا دیوانہ ہے۔ چنانچہ انہوں نے باہم پیمان باندھا کہ اگر ابوطالبؑ فوت ہوگئے تو وہ تمام قبائل کو محمدؐ کے **قتل** پر متفق کریں گے۔ قریش کے اس پیمان کی خبر ابوطالبؑ تک پہنچی تو انہوں نے بنی ہاشم اور قریش میں سے ان کے حلیفوں کو جمع کیا، انہیں رسول اکرمؐ کے متعلق کئی ایک سفارشیں کیں اور کہا:

میرا بھتیجا **محمدؐ جو دعوت** دیتا ہے، ہمارے بزرگوں اور دانشوروں نے اس کی پیشین گوئی کی ہوئی ہے۔ چنانچہ محمدؐ سچا پیغمبر امین ناطق اور بلند ترین مراتب اور مقامات کا مالک ہے۔ کیونکہ پروردگار کے نزدیک اس کا درجہ سب سے بلند ہے۔ پس تم اس کی دعوت قبول کرو۔ اس کی مدد کے لیے اکٹھے ہو جاؤ اور اس کے دشمنوں کو منتشر کردو۔۔۔ اگر تم ایسا کرو گے

---

[1] کتاب الحجۃ صفحہ ۶۸

تو تمہیں ہمیشہ رہنے والی بڑائی اور بزرگی نصیب ہوگی۔[1] پھر انھوں نے یہ اشعار کہے:

میں اپنے بیٹے علیؑ اور اپنے بھائی عباس کو
نیک سیرت پیغمبرؐ کی مدد کرنے کی سفارش کرتا ہوں
اور حمزہؓ کو بھی جس کے حملے سے شیر بھی خوف کھاتا ہے
اور جعفر کو بھی دوسروں سے اس کا دفاع کرنے کو کہتا ہوں
اور میں تمام بنی ہاشم کو پیغمبرؐ کی حمایت کی سفارش کرتا ہوں
تاکہ وہ جنگ کے وقت دشمن کے جنگ آزماؤں کا مقابلہ کریں
میری ماں اور اس کے فرزند تم پر فدا ہو جائیں
خطرے اور جنگ کے وقت احمدؐ کے لیے ڈھال بنے رہنا
اور اپنی صیقل شدہ تلواروں کے ساتھ اس کا دفاع کرو
جو رات کے وقت آگ کے شعلوں کی مانند نظر آتی ہیں

اس بحث کے خاتمے پر ہم علامہ امینی کا قول نقل کرتے ہیں جو یہ کہتے ہیں:

ہم نے اپنی اس تحقیق کے دوران اختصار کی خاطر بہت سی احادیث کا ذکر نہیں کیا اور اپنی تحقیق کے نتائج کا خاکہ پیش کرنے کے لیے فقط ان چالیس احادیث کے تذکرے پر اکتفا کیا ہے جو حق اور حقیقت کے راویوں نے نقل کی ہیں۔

اگر قارئین ان حدیثوں کو ابوطالب کے بارے میں ان کے خاندان اور ان سے وابستہ لوگوں سے منقول روایتوں سے متصل کر دیں ـــــ اور ان روایتوں کو بھی جو سالار مکہ ابو طالبؑ کے کردار میں نقل ہوئی ہیں ـــــ

[1] فتونی: ضیاء العالمین

پھر ان سب کا اضافہ ان صریح شہادتوں پر کریں جو ابوطالب کے اشعار میں موجود ہیں اور ان کے سیکڑوں دلائل پر مبنیٔ اسلام اور ان کے خالص ایمان کا پتہ دیتے ہیں۔ یہ ایسے ثبوت اور ایسی شہادتیں ہیں جو صاحبانِ فکر و نظر کے نزدیک ہر شخص کے اسلام اور ایمان پر یقین کرنے کے لیے کافی ہیں تو کیا یہ ایمان ابوطالب کے بارے میں کافی نہیں ہیں؟ شاید یہ کہا جائے کہ یہ سب دلائل بھی کافی نہیں ہیں۔ کیونکہ ابوطالبؑ کے معاملے میں ایک ایسی رمز موجود ہے جو ہزار دلائل سے بھی ان کا ایمان ثابت نہیں ہونے دیتی حالانکہ دوسروں کا ایمان ایک غیر معروف قول یا محض اس کا دعویٰ کرنے سے ہی ثابت ہو جاتا ہے۔ اب قارئین کا کام ہے کہ وہ اس بیان کو پڑھیں اور فیصلہ کریں کہ وہ کونسی رمز ہے جو بعض لوگوں کو ایمان ابوطالبؑ کا اقرار نہیں کرنے دیتی؟ غالباً وہ رمز یہ ہے کہ ابوطالبؑ ـــــ علی مرتضیٰؑ ـــــ کے والد ہیں!

ساتواں باب

ایمانِ ابوطالبؑ کا اِثبات کرنے والے مؤلّفینؒ

بہت سے شیعہ بزرگوں مثلاً علامہ مجلسیؒ نے بحارالانوار کی نویں جلد کے صفحات ۱۴ تا ۳۳ میں اور ابوالحسن شریف فتونی نے ضیاء العالمین کی دوسری جلد میں ایمان ابوطالبؑ کے متعلق تفصیل سے بحث کی ہے۔ چنانچہ دوسرا ماخذ یعنی ضیاء العالمین اس موضوع پر بہترین کتاب ہے۔ اسی طرح "برزنجی" کی تالیف کہ جس کی "احمد زینی دحلان" نے تلخیص کی ہے، وہ ایمان ابوطالبؑ پر اہل سنت کی جانب سے ایک بہترین کتاب ہے۔ علاوہ بریں اس موضوع پر مندرجہ ذیل اشخاص نے بھی کتابیں تالیف کی ہیں:

۱۔ سعد بن عبداللہ ابوالقاسم اشعری قمی (متوفی ۲۹۹ تا ۳۰۱ھ) نے ۔۔۔ رجال نجاشی صفحہ ۱۲۶ ۔۔۔ کی تحریر کے مطابق ابوطالبؑ، عبدالمطلب اور عبداللہ (رسول اکرمؐ کے والد) کی فضیلت کے بارے میں ایک کتاب لکھی ہے۔

۲ــــ ابو علی کوفی احمد بن محمد بن عمار (متوفی ۳۴۶ھ) نے ــــ فہرست شیخ منتخب، صفحہ ۲۹ اور رجال نجاشی، صفحہ ۷۰ ــــ کی تحریر کے مطابق "ایمان ابو طالبؑ" نامی ایک کتاب لکھی ہے۔

۳ــــ ابو محمد سہل بن احمد عبد اللہ دیباجی نے ــــ تلعکبری (متوفی ۳۷۰ھ) اور فہرست نجاشی، صفحہ ۱۳۳ ــــ کی تحریر کے مطابق ایمان ابو طالبؑ پر ایک کتاب لکھی ہے۔

۴ــــ ابو نعیم علی بن حمزہ بصری تمیمی لغوی (متوفی ۳۷۵ھ) نے ایمان ابو طالبؑ کے بارے میں ایک کتاب لکھی ہے جس کا ایک نسخہ سامرا میں شیخ میرزا محمد تہرانی کے پاس موجود ہے۔ ابن حجر نے "اصابہ" میں ابو طالبؑ کے حالاتِ زندگی لکھتے ہوئے اس کتاب کے بعض اجزا نقل کیے ہیں اور اس کے مؤلف پر رافضی ہونے کی تہمت بھی لگائی ہے۔

۵ــــ ابو سعید محمد بن احمد بن حسین خزاعی نیشاپوری جو مفسر کبیر شیخ ابو الفتوحؒ خزاعی کے نانا تھے۔ انھوں نے "منی الطالب فی ایمان ابی طالبؑ" نامی ایک کتاب لکھی ہے جس کا ذکر فہرست شیخ منتخب کے صفحہ ۱۰ پر ہے۔

۶ــــ ابو الحسن علی بن بلال بن ابو معاویہ مہلبی ازدی نے ــــ فہرست شیخ صفحہ ۹۶ اور رجال نجاشی، صفحہ ۱۸۸ کی تحریر کے مطابق "البیان عن خیرۃ الرحمٰن" نامی ایک کتاب لکھی جو رسول اکرمؐ کے آباؤ اجداد اور ابو طالبؑ کے ایمان کے بارے میں ہے۔

۷ــــ احمد بن قاسم نے ایمان ابو طالب کے بارے میں ایک کتاب لکھی

ہے ــــ فہرست نجاشی صفحہ ۶۹ ــــ کی تحریر کے مطابق نجاشی نے اس کا ایک نسخہ دیکھا جو حسین بن عبید اللہ غضایری کے خط میں تھا۔

۸ــــ ابو الحسن احمد بن محمد بن احمد بن طرخان کندی جرجانی (متوفی ۴۵۰ھ) جو نجاشی کا دوست تھا۔ اس نے ــــ فہرست نجاشی صفحہ ۶۳ ــــ کی تحریر کے مطابق ایمان ابو طالبؑ کے بارے میں ایک کتاب لکھی ہے۔

۹ــــ شیخ بزرگوار ابو عبد اللہ محمد بن نعمان (شیخ مفیدؒ متوفی ۴۱۳ھ) نے ــــ فہرست نجاشی صفحہ ۲۸۴ ــــ کے مطابق ایمان ابو طالبؑ کے بارے میں ایک کتاب لکھی ہے۔

۱۰ــــ ابو علی شمس الدین سید فخار بن معد موسوی (متوفی ۶۳۰ھ) نے "الحجۃ علی الذاہب الی تکفیر ابی طالبؑ" نامی ایک کتاب لکھی ہے۔ اس پر علامہ سید محمد صادق بحر العلوم نے منظوم تقریظ تحریر کی اور اس میں سے ایک شعر یہ ہے:

اے فخار! تمہیں مبارک ہو وہ امتیاز
جو خدا نے تمہیں قیامت کے دن کے لیے عنایت فرمایا

۱۱ــــ ابو الفضائل احمد بن طاؤس حسنی (سید بن طاؤس: متوفی ۶۷۳ھ) نے ایمان ابو طالبؑ کے بارے میں ایک مقالہ لکھا جسے انھوں نے اپنی کتاب "المقالۃ العلویہ" میں شامل کیا ہے جو امامت کے موضوع پر ہے اور ابو عثمان جاحظ کے رد میں لکھی گئی ہے۔

۱۲ــــ سید حسین طباطبائی یزدی حائری المعروف بہ واعظ (متوفی ۱۳۰۷ھ)

نے "منیۃ الطالب فی ایمان ابی طالبؑ" نامی ایک کتاب فارسی زبان میں لکھی اور وہ چھپ چکی ہے۔

۱۳ـــــ مفتی شریف سید محمد عباس تُستری ہندی (متوفی ۱۳۰۶ھ) جو شعرائے غدیر میں سے ہیں، انہوں نے "بغیۃ الطالب فی ایمان ابی طالبؑ" نامی ایک کتاب لکھی ہے۔

۱۴ـــــ شمس العلماء میرزا محمد حسین گرگانی نے "مقصد الطالب فی ایمان آباء النبی وعمہ ابی طالبؑ" نامی کتاب لکھی ہے جو فارسی زبان میں ہے اور ۱۳۱۱ھ میں بمبئی سے چھپی ہے۔

۱۵ـــــ شیخ محمد علی بن میرزا جعفر علی فصیح ہندی نے "القول الواجب فی ایمان ابی طالبؑ" نامی ایک کتاب لکھی ہے۔

۱۶ـــــ شیخ میرزا محسن بن میرزا محمد تبریزی۔

۱۷ـــــ سید محمد علی آل شرف الدین عاملی (متوفی ۱۳۷۳ھ) نے "شیخ الابطح او ابو طالبؑ" نامی ایک کتاب لکھی، جو ۱۳۴۹ھ میں ۹۶ صفحوں پر چھپی ہے۔

۱۸ـــــ شیخ میرزا محمد طہرانی کے فرزند شیخ میرزا نجم الدین نے "شہاب الثاقب لرجم مکفر ابی طالبؑ" نامی ایک کتاب لکھی ہے۔

۱۹ـــــ مرحوم شیخ جعفر بن حاج محمد نقدی نے "مواہب الواہب فی فضائل ابی طالبؑ" نامی ایک کتاب لکھی جو ۱۳۴۱ھ میں نجف اشرف سے ۵۴ صفحوں پر چھپی ہے۔

آٹھواں باب

حضرت ابو طالبؑ کی شان میں

مدحیہ اشعار

بہت سے شیعہ بزرگوں نے اپنے کلام میں ابوطالبؑ کے اوصاف بیان کیے ہیں، ہم ان میں سے کچھ اشعار یہاں نقل کرتے ہیں:

۱

سید ابو محمد عبداللہ بن حمزہ حسنی زیدی کے ایک قصیدے میں سے دو بیت ہم یہاں نقل کر رہے ہیں جن میں انہوں نے کہا:

ہمارے باپ ابوطالبؑ نے ان (پیغمبرؐ) کی حمایت کی
اور وہ اس وقت اسلام لائے جب دوسرے لوگ نہیں لائے تھے
وہ اپنے عقیدے اور ایمان کو تو چھپاتے تھے
لیکن پیغمبرؐ سے اپنی محبت کو نہیں چھپا سکتے تھے

(۲)

سید علی خان شیرازی نے اپنی کتاب "درجات رفیعہ" میں کچھ شعر کہے ہیں جن میں سے چند ایک ہم یہاں نقل کرتے ہیں:

ابو طالبؑ پیغمبرؐ (محمدؐ) کے وہ چچا تھے
جن کی طاقت سے دین قائم ہوا اور اس کی شان بڑھی
تمام افتخارات میں سے ان کے لیے یہی فخر کافی ہے
کہ وہ لوگوں کے درمیان پیغمبرؐ کے مددگار اور
کفالت کرنے والے تھے
اگر وہ نہ ہوتے تو پیغمبرؐ کی دعوت کو مضبوطی اور
پائداری حاصل نہ ہوتی
اور ظلم اور جھوٹ کی لمبی رات کا خاتمہ نہ ہوتا
ان بزرگوار کو یہ وہ کہنا کیونکر جائز ہے
جو اپنی زندگی کی ابتداء سے انتہا تک قابل تعریف اور شائستہ تھے
خدا کا سلام ہو ان پر کہ جب تک سورج مشرق سے چمکتا ہے
ان کی نیکیوں اور خوبیوں کا ذکر کیا جائے گا

(۳)

سید بزرگوار آیت اللہ میرزا عبد الہادی شیرازی نے ایک بڑا زوردار قصیدہ لکھا ہے جس کے کچھ اشعار ہم یہاں نقل کرتے ہیں:

ایک ہوشمند اور بزرگ انسان کی تعریف کے لیے میرے پاس بڑا
وسیع میدان ہے
وہ بزرگ انسان جو قرآن کے ہم پلہ اولی الامر (ائمہؑ) کا
دادا ہے
وہ ہدایت کا ایک ایسا پرچم ہے کہ میں اس کی تعریف کرکے
اپنے شعور کو زینت دیتا ہوں اور اپنے اشعار کو سربلند کرتا ہوں
وہ اوصیاء کا باپ اور پیغمبرؐ کا چچا ہے
جس کے ذریعے ایک برگزیدہ خاندان پھلا پھولا ہے
وہ دنیا میں یگانہ ہے اور اس کا ساتھی حسن خُلق ہے
اور روشنی اور چمک کے لحاظ سے سورج اور چاند
کے بعد اسی کا مقام ہے
پھر اس کے لیے یہی فخر کافی ہے کہ
وہ حیدر (امام علیؑ) کا باپ ہے جو انتہائی مصیبت
میں لوگوں کی پناہ گاہ تھے
جب تک بادِ صبا چلتی ہے اس آزاد مرد پر خدا کی رحمت ہو
کیونکہ زندگی بھر تو اس کی زبان مکہ کے سردار (رسول اکرمؐ) کی تعریف
کرتی رہی۔

(۴)

علامہ اردوبادی مندرجہ ذیل اشعار میں ابو طالبؑ کی تعریف کرتے ہیں:

مکہ کے شیخ ابو طالب کے ذریعے بھلائی اور ہدایت پھیلی
اور وہ اس کے نور کا پرتو تھا کہ جس سے مکہ چمکنے لگا
خدائے تعالیٰ نے اسے توحید کے ہمراہ تیز تلوار کی مانند بنایا
جس نے ہر طرح کے شرک اور کفر کو سرنگوں کر دیا
اس نے خدا کے دین کے دفاع کے موقع پر ارادے کی تلوار نیام سے کھینچ لی
وہ تلوار جس کی چمک سے دوسرے ہتھیاروں کی چمک دمک ماند پڑ گئی
اور اس نے حقیقت کو اپنے شعروں میں ظاہر کیا
ان شعروں میں جو حقیقتوں اور نیکیوں سے لبریز ہیں
اس کا وجود ایک ایسا علم ہے جو جوانمردی کی صفت سے آراستہ ہے
وہ سخی اور اس دین سے آراستہ ہے جس کی راہ میں اس نے اپنا آپ قربان کر دیا
مختصر اور واضح بات یہ ہے کہ وہ علیؑ کا باپ ہے
اس کے خالص ایمان میں کوئی شک جائز نہیں
چودھویں رات کے چاند کا نور ظاہر ہے
اگرچہ ادھر اُدھر سے کتے بھونک رہے ہیں
فرض کیجیے کہ میں صبح کو کہوں کہ یہ تو رات ہے
لیکن کیا ایک آنکھوں والے سے دن چھپا رہ سکتا ہے؟
مکہ کا سردار ابو طالبؑ ایسا ہے کہ ہدایت کے راستے میں
پیشوائی اور بزرگی نے اس کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال رکھا ہے

۵

علامۂ یگانہ شیخ محمد تقی صادق عاملی نے اہلبیتؑ کی شان میں اپنے ایک قصیدے میں ابوطالبؑ کے متعلق یہ اشعار کہے ہیں:

علیؑ کے زور شمشیر سے دین کے محل کی بُنیاد کو استحکام نصیب ہوا،
جیسے علیؑ کے باپ ابوطالبؑ کی ہمّت سے اس عمارت کے سُتون کھڑے ہوئے تھے
وہ جو عالی ظرفی کی رمز اور جوانمردی کا راز ہے
وہ جو ہدایت کے صحیفے کی ابتدا بھی اور انتہا بھی ہے
وہ جو تمام فضیلتوں اور دانشوں میں بے نظیر ہے
یوں سمجھو کہ تمام بڑائیاں اس کے وجود میں جمع ہو گئی ہیں
اس نے پیغمبرؐ کے دین کی سربلندی کی خاطر اپنے آپ کو قربان کر دیا
اور پھر کیا کہنے کہ اسکا یہ معاملہ کتنا مُبارک ہے۔

۶

علامہ بزرگوار سید علی نقی لکھنوی اپنے چند اشعار میں ابوطالبؑ کی یوں تعریف کرتے ہیں:

مکّہ میں پیغمبرؐ کے وصی کے باپ کی خاطر صبح کے وقت
اس صبح کو جب اس نے پیغمبرؐ کا دفاع کیا نُور کی بارش ہوئی
اِسلام کی حمایت کے لیے اور ہر خود غرض گمراہ کے مقابلے پر

بس وہ تھا کہ جو اکیلا ہی اٹھ کھڑا ہوا
وہ پورے خلوص کے ساتھ برحق پروردگار پر ایمان لے آیا
توحید پرست دل کے ساتھ وہ نیک اور پرہیزگار تھا
رسالت کے آغاز میں پیغمبرؐ کے دین کی عزت اور آبرو اس سے
وابستہ ہوئی
پھر وہ اس کے پاک فرزند علیؑ کے ہاتھوں بلندی کی انتہا تک پہنچی

(۷)

علامہ فاضل شیخ محمد سماوی (متوفی ۱۳۷۰ھ) نے اپنے ایک قصیدے میں درج ذیل اشعار کہے ہیں:

سحر کے وقت میرا دل میرے سینے میں دھڑکتا ہے
یا یوں سمجھو کہ ایک کھلاڑی کے ہاتھ میں گیند ہے
تو کہے گا کہ میں ہوس کے ایک دائرے میں ہوں
وہ دائرہ جو ستارۂ اقبال کی مانند کبھی ابھرتا اور کبھی ڈوبتا ہے
لیکن یہ دائرہ ایسا چھتر ہے کہ گویا قوم نے اس میں پناہ لی ہے
یہ چھتر ـــــ علیؑ ہے کہ اس کا باپ ابوطالبؑ ہے
وہ ہر فخر کا مالک اور پیغمبرؐ کا چچا ہے
اور غالب کے فرزندوں میں سے مکہ کا سردار
وہ اتنا بلند مرتبہ اور بارعب ہے کہ
شکاری باز اس کی طرف آنے کی طاقت نہیں رکھتا

اس کا چہرہ آنکھوں کے سامنے یوں چمکتا ہے
جیسے ایک نیام سے کھینچی ہوئی تلوار ہو
اس نے اپنی تلوار کے سائے میں دین کی حمایت کی
اور مکہ میں دین کا حامی اور مددگار بنا رہا
اور وہ پوشیدہ طور پر خدا پر ایمان لے آیا
اس خدا پر جس کا دین ہر متلاشی کے لیے واضح ہے
اور اس نے احمدؐ پر آنے والی وحی کی تصدیق کی
اور جو کچھ واجب تھا اس کے لیے قیام کیا
اور بہت سے لوگ پوشیدہ طور پر پیغمبر کی تصدیق کرتے تھے (مومن)
اور کچھ دوسرے دکھاوے کے لیے تصدیق کرتے تھے (منافق)
اگر ابوطالبؑ نہ ہوتے تو شاید رسول اکرمؐ اپنی تبلیغ کو عام نہ کرتے
اور لوگوں کو کھلم کھلا خدا کے دین کی طرف نہ بلاتے۔

(۸)

فاضل محقق اور گرانبہا کتابوں کے مؤلف شیخ جعفر بن حاج محمد نقدی (متوفی ۱۲۸۰ھ) نے اپنی کتاب "مواہب الواہب فی فضائل ابی طالبؑ" مطبوعہ نجف کے صفحہ ۱۵۴ پر ایک قصیدہ لکھا ہے، اس کے چند اشعار ہم یہاں نقل کرتے ہیں:

تیری ہنسی کے چمکارے نے مکہ کو روشن کر دیا
اور تیرے چہرے کی شرم و حیا نے شرافت کے پیاسوں کو سیراب کر دیا

جب کہیں تمام بڑائیاں اکٹھی ہو جاتی ہیں
میں وصیِ پیغمبرؐ کے باپ —— ابو طالبؑ کی شان میں شعر کہنے
لگتا ہوں
وہ بڑائیوں کی بارش ہے اور سختیوں میں جنگل کے شیر کی طرح دلیر
فریادیوں کی فریاد کو پہنچنے والا اور دور دور تک چمکنے والا چودھویں
کا چاند ہے
رئیسِ مکہ (ابو طالبؑ، جس کی تلوار سے دشمن دب جاتے ہیں)
تو لوگ رشد و ہدایت کے میدان میں گامزن ہوتے ہیں
بڑائیاں اس کے سامنے عاجزی اور بے مائگی سے گردن خم کرتی ہیں
اور زمانے نے اسے رہنمائی کی فضیلت پیش کر دی ہے
احمدؐ کی امت کا بزرگ اور پاک ائمہؑ کا دادا
اہلِ حق کی امیدوں کا مرکز اور بہارِ شریعت کی پُر برکت بارش
اس نے لوگوں کو اس وقت ہدایت کی جانب بلایا
جب ان میں سے کوئی بھی ہدایت کا راستہ نہیں جانتا تھا
قریش کو اس کی بہت سی کرامتیں یاد تھیں
جن کے ظہور سے لوگوں کے کئی گروہوں نے رسول اکرمؐ کی رسالت
کا پتہ پایا
وہ ایسی کرامتیں تھیں جیسے کہ احمدؐ کو دایہ کے سپرد کرنا ؎

؎ ابو طالبؑ کی یہ کرامت اصول کافی کے صفحہ ۳۴۴ پر مندرج ہے۔

اور مکہ کی سیرابی کے لیے ان کی دعا کا قبول ہونا ؎
اس کے اچھے طور طریقے اسلام کے معمولات میں قائم رہے
جو تمغۂ افتخار کی مانند مسلمانوں کے سینوں پر چمکتے ہیں
اس نے بہترین انسان (رسول اکرمؐ) کی سرپرستی کی
اور خلوص و محبت کے ساتھ ان کے حقوق ادا کیے
لڑکپن میں ان کی پرورش کی اور جوانی میں ان کی نگہبانی کی
اس کے بعد دشمنوں کے آزار سے ان کو بچائے رکھا
اور اس نے ایسی ثابت قدمی سے رسول اکرمؐ کا ساتھ دیا
تاکہ ان کا دین تمام ملکوں میں سربلندی حاصل کرے
وہ ٹھیک ٹھیک جانتا تھا کہ رسول اکرمؐ خدا کے برگزیدہ بندے ہیں
اُس خدا کے جو آسمان کا اور ہر قوت اور طاقت کا مالک ہے
اگر آنکھ جوانمردیوں کو ایک بدن میں مجسّم دیکھ سکے
تو اے ابو طالبؑ! یقیناً وہ تمہیں بطور اس بدن کی رُوح کے دیکھے گی
شکر ہے خدا کا جس نے تمہیں نیک خصائل کے اس درجے پر پہنچایا
کہ جن سے ساتوں ولایتیں سرسبز و شاداب ہو گئیں
میں تمہاری ہیبت پر ناز کرتا ہوں جس نے تمہارے دشمنوں پر
یعنی ان کافروں پر کپکپی طاری کر دی (جو محمدؐ کے دشمن تھے)

؎ ابو طالبؑ نے رسول اکرمؐ کے وسیلے سے بارش کی دُعا کی اور وہ قبول ہوئی جیسا کہ قسطلانی کی شرح صحیح بخاری کی جلد ۲ کے صفحہ ۲۲۷ پر مذکور ہے۔

نواں باب

ایمانِ ابوطالبؑ کے متعلق

غلط بیانیاں

مضامینؒ

تفسیر قرآن میں غلط بیانی

ان لوگوں یعنی اہل سنت کے مؤرخین اور محدثین ــ اسلام کے مرد میدان اور اپنے نیکوکار بیٹے امام علیؑ کے بعد پہلے مسلمان ــ ابو طالبؑ ــ کے بارے میں افترا اور بدگوئی میں اتنے آگے نکل گئے ہیں کہ ان کے لیے اپنی من گھڑت کہانیاں بھی کافی ثابت نہیں ہوئیں' لہٰذا وہ قرآن مجید کی طرف بڑھے اور خدا کے کلام میں تحریف کرتے ہوئے اس کی تین آیتوں کو ایسے خود ساختہ معانی پہنا دیے ہیں جو حقیقت اور اصلیت سے بہت دور ہیں۔ یہی جعلی مطالب و معانی وہ مشہور ترین ماخذ ہیں جن سے انھوں نے ابو طالبؑ کے اسلام نہ لانے کے بارے میں استناد کیا ہے۔ ذیل میں ہم وہ آیات اور ان کے مطالب پیش کرتے ہیں:

پہلی آیت

وہ لوگ دوسروں کو اس کے سننے سے روکتے ہیں اور خود تو الگ تھلگ رہتے ہی ہیں۔ پس وہ اپنے آپ کو ہی ہلاک کرتے ہیں لیکن سمجھتے نہیں۔ (سورۂ انعام۔ آیت ۳۶)

طبری وغیرہ سفیان ثوری سے، وہ حبیب بن ابی ثابت سے اور وہ ایک شخص سے ابن عباس کا یہ قول نقل کرتا ہے:

یہ آیت ابوطالبؑ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ کیونکہ وہ لوگوں کو رسول اکرمؐ پر سختی کرنے سے روکتے تھے اور خود اسلام لانے سے دوری اختیار کیے رہے۔ [1]

قرطبی کہتا ہے کہ یہ آیت تمام کفار کے لیے عام ہے کہ وہ محمدؐ کی پیروی سے منع کرتے ہیں اور خود بھی ان سے دوری اختیار کرتے ہیں۔ پھر وہ ابن عباس اور حسن کے طریق سے نقل کرتا ہے کہ یہ آیت ابوطالبؑ کے بارے میں ہے۔ کیونکہ وہ کفار کو رسول اکرمؐ پر سختی کرنے سے روکتے تھے اور خود آنحضرتؐ پر ایمان لانے سے اجتناب کرتے رہے۔

سیرت نویسوں نے بھی ابن عباس سے ابن الزبعری کا واقعہ نقل کیا ہے۔ وہ اس پر یہ اضافہ کرتے ہیں کہ قریش کے مقابل ابوطالبؑ کے ڈٹ جانے

---

[1] ابن سعد: طبقات جلد ۱ صفحہ ۱۰۵ + طبری: تاریخ جلد ۷ صفحہ ۱۱۰ + ابن کثیر: تفسیر جلد ۲ صفحہ ۱۲۷ + زمخشری: تفسیر کشاف جلد ۱ صفحہ ۴۴۸ + ابن جزی: تفسیر جلد ۲ صفحہ ۶ + تفسیر خازن جلد ۲ صفحہ ۱۱۔

کے بعد زیر بحث آیت نازل ہوئی اور آنحضرتؐ نے فرمایا:

اے چچا! آپ کے بارے میں ایک آیت نازل ہوئی ہے۔

ابوطالبؑ نے پوچھا: کونسی آیت؟

آنحضرتؐ نے فرمایا: آپ قریش کو مجھ پر سختی کرنے سے باز رکھتے ہیں لیکن میری نبوت پر ایمان لانے سے انکار کرتے ہیں۔ اس وقت ابوطالبؑ نے کچھ شعر کہے جن میں سے ایک یہ ہے:

خدا کی قسم! اپنی کثیر تعداد اور قوت کے باوجود وہ آپ پر ہرگز قابو نہ پاسکیں گے

مگر وہ صرف اس وقت آپ پر قابو پاسکتے ہیں، جب میں جان قربان کرکے قبر میں دفن ہوجاؤں [1]

ایک بار لوگوں نے پوچھا: خدا کے رسولؐ! کیا ابوطالبؑ کو آپ کی نصرت کرنے کا کوئی فائدہ ہے؟

آپ نے فرمایا: اسی نصرت کی بدولت وہ عذاب کی بیڑیوں اور ہتھکڑیوں نیز شیاطین کی ہمسائیگی سے بچ گئے اور انہیں دوزخ کے سانپوں اور بچھوؤں کے بلوں پر نہیں پھینکا گیا۔ ہاں جو عذاب انہیں دیا گیا وہ آگ کے جوتے پہننے کے عذاب کی طرح ہے کہ جس سے ان کا مغز سر جوش کھاتا ہے اور یہ اہل جہنم کی کمترین سزا ہے۔ [2]

---

[1] دیگر اشعار اس کتاب کے صفحہ ۳۴ پر ملاحظہ ہوں۔

[2] تفسیر قرطبی۔ جلد ۶ صفحہ ۴۰۶

علامہ امینی کا موقف یہ ہے:

اس آیت کے ابوطالبؑ کے بارے میں نازل ہونے کا دعویٰ ان وجوہ کی بنا پر غلط ہے:

وجہ ۱: یہ حدیث مرسل ہے اور ایک نامعلوم شخص سے منسوب ہے جو ابن عباس اور حبیب بن ابی ثابت کے درمیان وجود رکھتا ہے۔ اسی طرح کے اور بھی بہت سے ناقابل اعتماد اشخاص تھے، جنہوں نے ابن عباس سے روایت کی ہے اور شاید یہ نامعلوم شخص بھی انہیں میں سے ہے۔

وجہ ۲: اس حدیث کا واحد راوی حبیب ابن ابی ثابت ہے اور اس کے علاوہ اسے کسی نے روایت نہیں کیا۔ پھر اگر ہم فرض کرلیں کہ وہ ثقہ اور قابل اعتماد ہے تو بھی جو کچھ اس نے روایت کیا ہے اس کی پیروی کرنا ممکن نہیں ہے۔ حالانکہ اسی حبیب ابن ابی ثابت کا تعارف کچھ یوں ہے:

ابن حبان کہتا ہے کہ "وہ ایک فریبی شخص تھا"

عقیلی کہتا ہے کہ ابن عون نے حبیب کا تعارف ایک بدنام شخص کی حیثیت سے کرایا اور کہا کہ اس نے عطا سے کچھ احادیث نقل کی ہیں، جن کی متابعت نہیں کی جاسکتی۔

قطان کہتا ہے کہ حبیب نے عطا سے بہت سی احادیث روایت کیں جو قابل توجہ نہیں ہیں۔

آجری نے ابوداؤد سے نقل کیا ہے کہ عاصم بن حمزہ کے بقول حبیب نے کوئی حدیث روایت نہیں کی ہے۔

ابن حذیفہ کا نظریہ ہے کہ حبیب ایک فریبی شخص تھا۔[1]

علاوہ ازیں اس حدیث کی سند میں ہم سفیان ثوری کی ذات پر بحث نہیں کرتے اور اس شخص کا قول پیش نہیں کرتے جس کا خیال ہے کہ سفیان ایک فریبی شخص تھا اور اس نے جھوٹے لوگوں سے حدیثیں نقل کی ہیں۔[2]

وجہ ۳: مختلف طریقوں سے ابن عباس کی جو صحیح روایات نقل کی گئی ہیں وہ اس جعلی حدیث کے خلاف ہیں۔ چنانچہ طبری، ابن منذر، ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ نے ابن ابی طلحہ اور عوفی کے طریقے سے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ زیر بحث آیت مشرکین کے بارے میں ہے جو لوگوں کو رسول اکرمؐ پر ایمان لانے سے روکتے تھے اور خود بھی آنحضرتؐ سے دور رہتے تھے۔[3]

اسی مضمون کی حدیث جو طبری، ابن ابی شیبہ، ابن ابی منذر، ابن ابی حاتم اور عبد بن حمید نے وکیع کے طریقے سے سالم سے اور اس نے ابن حنفیہ سے ــــ نیز حسین بن فرج کے طریقے سے ابومعاذ سے اور بشر کے طریقے سے قتادہ سے روایت کی ہے، وہ بھی اس بات کی تائید کرتی ہے۔

عبدالرزاق، ابن جریر، ابن منذر، ابن ابی حاتم اور ابوالشیخ نے قتادہ، سدی اور ضحاک سے ــــ ابونجیح کے طریقے سے مجاہد سے اور یونس کے

---

۱ تہذیب التہذیب جلد ۲ صفحہ ۱۷۹

۲ میزان الاعتدال جلد ۱ صفحہ ۳۹۶

۳ تفسیر طبری جلد ۷ صفحہ ۱۰۹ + تفسیر درمنثور جلد ۳ صفحہ ۸

طریقے سے ابن زید سے روایت نقل کی ہے کہ زیر بحث آیت کا مفہوم یہ ہے کہ کفار کا گروہ لوگوں کو رسول اکرمؐ اور قرآن کی جانب مائل ہونے سے منع کرتا تھا اور خود بھی ان سے دور رہتا تھا۔

ان تمام روایات میں ابو طالبؑ کا کوئی ذکر نہیں اور اس آیت کا روئے سخن ان کافروں کی طرف ہے جو لوگوں کو رسول اکرمؐ یا قرآن کی پیروی کرنے سے روکتے تھے اور جنگ کرکے یا ڈرا دھمکا کر ان کو آنحضرتؐ سے علیحدہ کر دیتے تھے۔ ہمارے قارئین اس بات سے یقیناً واقف ہیں کہ یہ تمام باتیں ان اقوال و افعال کے خلاف ہیں جو رئیس مکہ ابو طالبؑ کے حالات زندگی میں بیان ہوئے ہیں کیونکہ انہوں نے زندگی بھر رسول اکرمؐ کی حمایت کی، ان کا ساتھ دیا اور آخری دم تک لوگوں کو ان کی طرف بلاتے رہے۔

وجہ ۴: اس آیت کریمہ کے سیاق سے ظاہر ہوتا ہے کہ خدا نے اس آیت میں ان زندہ کافروں کو ملامت کی ہے جو لوگوں کو رسول اکرمؐ کی پیروی سے منع کرتے اور انہیں آنحضرتؐ سے دور ہٹائے رکھتے تھے۔ انھوں نے اپنے اس برے عمل کو آنحضرتؐ کی کھلی مخالفت کی حد تک پہنچا دیا تھا۔ نیز وہ اس آیت کے نزول کے وقت بھی اس برے کام کے مرتکب ہو رہے تھے اور رسول اکرمؐ نے ابو طالبؑ کو بھی اس آیت کے نزول سے آگاہ کیا تھا۔[1]

اے پیغمبرؐ! بے شک تم جسے چاہو راہ ہدایت پر نہیں لا سکتے
لیکن خدا جسے چاہے راہ ہدایت پر لا سکتا ہے۔[2]

---

[1] یہ وہی بات ہے جو اس سے پہلے وجہ ۳ میں تفسیر قرطبی کے حوالے سے بیان ہوئی ہے۔ [2] سورۂ قصص - آیت ۵۶

بخاری و مسلم میں آیا ہے کہ یہ آیت ابو طالبؑ کی وفات کے بعد نازل ہوئی ہے۔ اس کو پیش نظر رکھتے ہوئے جب ہم پہلی آیت پر نظر ڈالتے ہیں جو زندہ و موجود کفار کے بارے میں ہے، اس میں ابو طالبؑ کے متعلق قطعاً کوئی اشارہ نہیں پایا جاتا۔ کیونکہ سورۂ انعام کہ جس میں یہ آیت آئی ہے، وہ سورۂ قصص کے بعد پانچ سوروں کے فاصلے سے یکبارگی نازل ہوئی ہے۔ بلکہ اس لیے یہ ممکن نہیں کہ اس کا اطلاق ابو طالب پر کیا جا سکے جو اس آیت کے نزول سے پہلے فوت ہو گئے اور منوں مٹی تلے دفن ہو چکے تھے۔

وجہ ۵: سورۂ انعام کی آیت ۲۶ کو ۲۵ کے ساتھ ملا کر دیکھنا چاہیے:

آیت ۲۵: ان میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو تمہاری باتوں کی طرف کان لگائے رہتے ہیں لیکن وہ انہیں نہیں سمجھ پاتے۔ کیونکہ ہم نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے اور ان کے کانوں پر پردہ ڈال دیا ہے۔ اب اگر وہ ہماری تمام نشانیاں بھی دیکھ لیں تو بھی ایمان نہیں لائیں گے۔ وہ کفار یہاں تک ضدی ہو گئے کہ جب تمہارے پاس آتے ہیں تو تم سے الجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس (قرآن) میں تو اگلوں کی کہانیوں کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔

آیت ۲۶: وہ لوگ دوسروں کو اس کے سننے سے روکتے ہیں اور خود تو الگ تھلگ رہتے ہی ہیں۔ پس وہ اپنے آپ کو ہی ہلاک کرتے ہیں لیکن سمجھتے نہیں جیسا کہ واضح ہو رہا ہے ان دونوں آیتوں کا اشارہ ان کافروں

---

[1] تفسیر اتقان صفحہ ۱۷

کی طرف ہے جو رسول اکرمؐ کے پاس آتے، آنحضرتؐ سے الجھتے۔ قرآن مجید پر اگلے لوگوں کی کہانیوں کی تہمت لگاتے، لوگوں کو آنحضرتؐ کی کتاب کے سننے سے روکتے اور اپنے آپ کو اور دوسروں کو رسول اکرمؐ سے دور رکھتے تھے ـــــ لیکن کہاں یہ سب کچھ اور کہاں ابو طالبؑ؟ ابو طالبؑ تو وہ شخص ہیں جنھوں نے زندگی بھر ان میں سے کوئی بھی کام نہیں کیا اور ہمیشہ آنحضرتؐ کے حامی اور محافظ بن کر رہے۔ چنانچہ مفسرین نے بھی اس بات کو سمجھا ہے اور اس قول کو چنداں وقعت نہیں دی کہ زیر بحث آیت کا نزول ابوطالبؑ کے بارے میں ہوا ہے۔ ان میں سے بعض نے تو یہ بھی کہا ہے کہ اس قول کی کوئی سند نہیں، جبکہ کچھ دوسروں نے اس کے برعکس قول ہی کو قابلِ قبول سمجھا ہے۔ اب ہم ان کے نظریات بطور نمونہ نقل کرتے ہیں:

مفسر طبری لکھتا ہے: یہ آیت جن افراد سے بحث کرتی ہے وہ وہی مشرک ہیں جو خدا کی نشانیوں کو جھٹلاتے، لوگوں کو محمدؐ کی پیروی سے باز رکھتے اور اپنے آپ کو اور دوسروں کو آنحضرتؐ سے دور رکھتے تھے۔ پھر انہیں طریقوں سے جن کا ہم نے (وجہ ۲-۳ میں) پہلے ذکر کیا ہے، ابن حنفیہ، ابن عباس، سدی، قتادہ اور ابو معاذ کے قول سے سند لاتا ہے۔ نیز اس بارے میں وہ ایک قول کا ذکر کرتے ہوئے اسے قتادہ، مجاہد اور ابن زید سے منسوب کرتا ہے۔ جس میں اس آیت سے مراد یہ ہے کہ وہ لوگ قرآن کے سننے اور اس کے احکام پر عمل کرنے سے منع کرتے تھے۔ [1]

---

[1] تفسیر طبری جلد ۷ صفحہ ۱۰۹

پھر اس آیت کے ابوطالبؑ کے بارے میں نازل ہونے نیز حبیب بن ابی ثابت کی اس روایت کے متعلق جو اس نے ایک نامعلوم شخص کے ذریعے ابن عباس سے نقل کی، طبری یوں کہتا ہے: ان اقوال میں سب سے موزوں یہ ہے کہ اس آیت کی تاویل میں ہم اس بات کے قائل ہو جائیں کہ اس کا اشارہ انہی افراد کی طرف ہے جو دوسروں کو پیغمبرؐ کی پیروی سے منع کرتے اور باز رکھتے تھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سے پہلی آیت میں مشرکین کے اس گروہ کا ذکر ہے جو پیغمبرؐ کو جھٹلاتے، ان سے الجھتے اور خدا کی جانب سے نازل کی گئی وحی سے روگردانی کرتے تھے۔ پس مناسب ہے کہ "وہ اس (پیغمبرؐ) کی جانب مائل ہونے سے روکتے ہیں" بھی اس جماعت کے اعمال ہی کی خبر ہو۔ کیونکہ ہمارے پاس اس امر کی کوئی دلیل نہیں کہ ان دو آیات کے سلسلۂ بیان میں تخاطب کا رخ ایک سے دوسرے فریق کی طرف تبدیل ہو گیا ہے۔ بلکہ اس آیت سے پہلے اور بعد کی آیات اس قول کو درست ثابت کرتی ہیں کہ ان میں کسی خاص فرد یا افراد سے نہیں بلکہ پیغمبرؐ کی قوم کے مشرکین سے بحث کی گئی ہے۔ لہٰذا آیت کی تاویل یوں ہے:

"اے محمدؐ! یہ مشرک خواہ ساری کی ساری نشانیاں بھی دیکھ لیں ـــــ ایمان نہیں لائیں گے۔ جیسا کہ وہ تمہارے پاس آتے ہیں، تم سے الجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم ہمارے لیے جو آسمانی کتاب لائے ہو، وہ اگلے لوگوں کے قصے کہانیوں کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ اس طرح وہ نازل کی گئی آیات کو سننے سے انکار کرتے ہیں اور اپنے آپ کو

اور دوسروں کو تم سے دور رکھتے ہیں۔ مگر وہ ایسا کر کے اپنے علاوہ کسی اور کو ہلاکت میں نہیں ڈالتے ہیں۔ [1]

مفسر رازی اس بارے میں دو قول نقل کرتا ہے:

۱ــــ یہ آیت ان مشرکین کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو لوگوں کو رسول اکرمؐ کی نبوت کا اقرار کرنے اور ان کی پیروی کرنے سے باز رکھتے تھے۔

۲ــــ یہ آیت ابو طالبؑ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

رازی مزید کہتا ہے کہ پہلا قول دو دلائل کی بنا پر زیادہ قابلِ قبول ہے۔

پہلی دلیل یہ ہے کہ اس سے ماقبل کی تمام آیات کفار کی اس جماعت کے کردار کی مذمت میں ہیں۔ لہٰذا لوگوں کو رسول اکرمؐ کی پیروی سے روکنا اور منع کرنا بھی اسی کے ذیل میں آتا ہے۔ اگر ہم فرض کریں کہ مناہی کا یہ عمل ابو طالبؑ سے نسبت رکھتا ہے تو ابو طالبؑ کا عمل اس جماعت کے برعکس تھا۔ کیونکہ وہ لوگوں کو رسول اکرمؐ کو تکلیف پہنچانے سے روکتے تھے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ زیر بحث آیت کے بعد خدائے تعالیٰ اس بات کا اضافہ کرتا ہے کہ یہ لوگ اپنے سوا کسی کو ہلاکت اور تباہی کی جانب نہیں لے جاتے۔ پس اس سے وہی جماعت مراد ہے جس

[1] تفسیر طبری جلد ۷، صفحہ ۱۱۰

کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے۔ لہٰذا یہ درست نہیں ہے کہ اس سے یہ مراد ہو کہ جو لوگ رسول اکرمؐ پر سختی کرنے والوں کو روکتے اور منع کرتے ہیں وہ اپنے آپ کو تباہ کر لیتے ہیں، کیونکہ ایسا نیک کام ہلاکت اور تباہی کا موجب نہیں ہوتا۔

اگر ہم سے یہ کہا جائے کہ "وہ اپنے سوا کسی کو ہلاکت میں نہیں ڈالتے" کا جملہ "خود تو اس سے الگ تھلگ رہتے ہی ہیں" کے ساتھ مربوط ہے اور "دوسروں کو اس کے سننے سے روکتے ہیں" سے اس کا تعلق نہیں ہے، اس لیے کہ اس عبارت سے مراد یہ ہے کہ جس گروہ کا ذکر کیا گیا ہے وہ پیغمبرؐ کا دین ترک کرنے اور آنحضرتؐ کے ساتھ ناسازگاری کی بنا پر ان سے دوری اختیار کرتے ہیں اور یہ بات قابلِ مذمت ہے اور تمہارا استدلال درست نہیں ہے۔ اس پر ہمارا جواب یہ ہے کہ "وہ اپنے سوا کسی کو ہلاکت میں نہیں ڈالتے" کی عبارت اپنے ماقبل سے مربوط ہے اور تمہارے قول کی مثال وہی ہے جیسے کہا جائے کہ "فلاں شخص جو فلاں شخص کو کسی کام سے روکتا ہے اور ہٹا دیتا ہے، وہ اس میں اپنے علاوہ کسی کو نقصان نہیں پہنچاتا۔" حالانکہ یہ نقصان ان دو میں سے صرف ایک کو نہیں بلکہ دونوں ہی کو پہنچتا ہے۔ [1]

مفسر ابن کثیر بھی ابن حنفیہ، قتادہ، مجاہد، ضحاک اور کئی دوسرے راویوں سے پہلا قول نقل کرنے کے بعد لکھتا ہے:

حقیقت کا علم تو خدا ہی کو ہے مگر یہ قول واضح اور منطقی معلوم ہوتا

[1] فخر رازی: تفسیر کبیر جلد ۱۳ صفحہ ۲۸

ہے۔ نیز ابن جریر طبری نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ ؎۱

نسفی نے پہلا قول نقل کیا اور کہا ہے: کہا گیا ہے کہ یہ آیت ابوطالبؑ کے بارے میں ہے، حالانکہ پہلا قول یعنی اس آیت کا مشرکین سے مربوط ہونا زیادہ منطقی ہے۔ ؎۲

مفسر زمخشری، شوکانی اور کئی دوسرے مفسروں نے بھی پہلا قول اختیار کیا ہے اور دوسرے قول کو ایک بلا ثبوت دعویٰ قرار دیا ہے۔ ؎۳

ان کے بعد آلوسی نے بھی پہلے قول کو تفصیل سے پیش کیا ہے۔ دوسرے قول کے بارے میں لکھا ہے کہ امام رازی نے اسے ذکر دیا ہے پھر ان کی عبارت کا ماحصل نقل کیا ہے۔

اس مقام پر علامہ امینی اس عبارت کا اضافہ کرتے ہیں:

جب قرطبی نادانی کے عالم میں ہماری جانب قدم بڑھا رہا تھا تو اس کے دونوں ہونٹوں کے درمیان ایک ایسی روایت تھی جو اس نے رات کے وقت لکڑیاں اکٹھی کرنے والے لکڑہارے کی طرح کہیں سے اٹھالی تھی۔ اے کاش کہ وہ ہماری رہنمائی اپنی اس من گھڑت داستان کے مصدر کی طرف کرتا کہ اس نے یہ کہاں سے اخذ کی؟ اس کی اسناد کس شخص تک پہنچتی ہیں؟ اس روایت کے نقل کرنے میں کون کون سے حفاظ

؎۱ تفسیر ابن کثیر جلد ۳ صفحہ ۱۶۲

؎۲ تفسیر نسفی برحاشیہ خازن جلد ۲ صفحہ ۱۱

؎۳ تفسیر کشاف جلد ۱ صفحہ ۴۴۸ + تفسیر شوکانی جلد ۲ صفحہ ۱۰۳

حدیث اس کے ساتھ ہیں؟ اور اس سے پہلے کن مؤلفین نے ان کو نقل کیا ہے؟ وہ کون ہے جو یہ کہتا ہے کہ قرطبی نے ابن زبعری کے واقعہ میں جو اشعار نقل کیے ہیں وہ ابوطالبؑ ہی کے ہیں؟ کس شخص نے یہ روایت کی ہے کہ زیر بحث آیت اسی دن نازل ہوئی؟ اس آیت کے نزول پر رسول اکرمؐ کے ابوطالبؑ کو خبردار کرنے اور ابوطالبؑ کے اشعار میں کیا ربط اور علاقہ ہے؟ قرطبی کا یہ من گھڑت جملہ کہ "اے چچا! آپ کے بارے میں ایک آیت نازل ہوئی ہے" کیا اس سے پہلے یا اس کے بعد ـــــ ائمہ حدیث میں سے کسی نے یہ جملہ نقل کیا ہے؟ کیا قرطبی کو اس روایت کے آخری حصے کے لیے اپنی تفسیر کے علاوہ کوئی اور مصدر اور مآخذ بھی ملا ہے؟ کیا اس نے جہنم میں سانپوں اور بچھوؤں کے بل دیکھے ہیں اور انہیں ابوطالبؑ سے خالی پایا ہے؟ کیا اس نے جہنم کی ہتھکڑیاں اور بیڑیاں باندھی اور کھولی ہیں۔ تاکہ پہچان لیتا کہ سید سردار مکہ ـــــ ابوطالبؑ ـــــ ان ہتھکڑیوں اور زنجیروں سے نہیں باندھے گئے؟ یا پھر ایسا ہوا ہے کہ اس نے آنحضرتؐ کی حدیث سے یہ باتیں خود ہی اخذ کی ہیں؟

کیا ہی اچھا ہوتا اگر قرطبی کے یہ سہانے خواب حقیقت کا روپ دھار لیتے! مگر اب وہ ہمارے بہت سے قطعی دلائل کے سامنے مغلوب اور محکوم ہو کر رہ گیا ہے۔

دوسری اور تیسری آیت

دوسری آیت: پیغمبرؐ اور مومنین کے لیے یہ مناسب نہیں کہ یہ جان لینے کے بعد کہ مشرکین جہنمی ہیں، ان کے لیے مغفرت کی دعائیں مانگیں خواہ وہ ان کے قرابت دار ہی کیوں نہ ہوں۔ [1]

تیسری آیت: اے پیغمبرؐ! بے شک تم جسے چاہو راہ ہدایت پر نہیں لا سکتے لیکن خدا جسے چاہے راہ ہدایت پر لا سکتا ہے اور وہی ہدایت یافتہ لوگوں سے بخوبی واقف ہے۔ [2]

دونوں آیتوں کے شانِ نزول کی روایت

ابو الیمان نے شعیب سے، اس نے زہری سے، اس نے سعید بن مسیب سے اور اس نے اپنے باپ سے روایت کی ہے کہ اس نے کہا:

ابوطالبؑ کی وفات کے وقت جب رسول اکرمؐ ان کے سرہانے تشریف لائے تو آپ نے ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ بن مغیرہ کو وہاں دیکھا۔ تب آنحضرتؐ نے فرمایا: اے چچا! کہو لا الہ الا اللہ ــــ یہ وہ کلمہ ہے جس کے ذریعے میں خدا کے حضور میں آپ کے لیے حجت

[1] سورۂ توبہ۔ آیت ۱۱۳ [2] سورۂ قصص۔ آیت ۵۶

پیش کر سکتا ہوں۔ اس پر ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ نے ابوطالبؑ سے کہا: کیا تم عبدالمطلب کے مذہب سے روگردانی کر رہے ہو؟

اس وقت رسول اکرمؐ بار بار یہی ارشاد فرما رہے تھے اور وہ دونوں اشخاص بھی اپنی بات دہرائے جا رہے تھے ــــ حتیٰ کہ ابوطالبؑ نے اپنے آخری الفاظ کہے: "عبدالمطلب کے مذہب پر"۔ اور یوں وہ لا الہ الا اللہ کہنے سے باز رہے۔ تاہم رسول اکرمؐ نے فرمایا: "خدا کی قسم! جب تک مجھے آپ کے لیے مغفرت کی دعا مانگنے سے منع نہیں کر دیا جائے گا ــــ میں یہ عمل کرتا رہوں گا۔ اس اثنا میں خدائے تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی:

"پیغمبرؐ اور مومنین کے لیے مناسب نہیں کہ وہ مشرکین کے لیے مغفرت کی دعائیں مانگیں۔"

پھر ابوطالبؑ کے بارے میں بھی یہ آیت نازل ہوئی:

"اے پیغمبرؐ! بے شک تم جسے چاہو راہِ راست پر نہیں لا سکتے۔ لیکن خدا جسے چاہے راہِ راست پر لا سکتا ہے۔" [1]

صحیح بخاری کی طرح ــــ صحیح مسلم میں بھی یہ روایت سعید بن مسیب کے طریقے سے نقل ہوئی ہے اور طبری نے اس کو مرسل روایت کی شکل میں لکھا ہے۔ پھر صحیح بخاری و صحیح مسلم پر اور ان دونوں کتابوں کے مؤلفین پر اپنے خاص اعتماد کے تحت تمام بڑے بڑے مفسرین نے بھی اس

[1] صحیح بخاری جلد ۷ کتاب التفسیر باب قصص صفحہ ۱۸۴

روایت کو اپنی تفسیروں میں درج کیا ہے۔

مذکورہ روایت پر تنقیدی نظر

۱۔ اس روایت کا واحد راوی ـــ سعید بن مسیب ـــ ان اشخاص میں سے ہے جنہوں نے امام علیؑ سے اپنی کھلی دشمنی کا اظہار کیا ہے۔ لہٰذا وہ امام علیؑ، آپ کے والد اور آپ کے خاندان کے بارے میں جو کچھ کہے یا گھڑے اسے قبول نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ وہ ایک ایسا شخص ہے جس کی مرغوب ترین چیز اس خاندان کی بدگوئی ہے۔ جیسا کہ ابن ابی الحدید نے لکھا ہے کہ سعید بن مسیب امام علیؑ سے منحرف رہا اور عمر بن علیؑ نے بھی اس کے ساتھ سخت رویہ اختیار کیا تھا۔ چنانچہ عبدالرحمٰن بن اسود ـــ ابوداؤد ہمدانی سے نقل کرتا ہے:

میں نے عمر بن علیؑ بن ابی طالبؑ کو دیکھا کہ وہ سعید بن مسیب کی جانب آ رہے تھے۔ سعید نے ان کو مخاطب کر کے کہا: اے بھتیجے! تمہیں کیا ہوا ہے کہ تم حضرت رسولؐ کی مسجد میں اتنا آتے جاتے ہو؟ اور پھر تمہارے سگے اور چچازاد بھائی بھی ایسا ہی کرتے ہیں۔

عمر نے کہا: اے مسیب کے بیٹے! کیا یہ ضروری ہے کہ جب کبھی میں مسجد میں آؤں تو تم سے اجازت لیا کروں؟

سعید نے کہا: میں نہیں چاہتا کہ تم کو ناراض کروں، کیونکہ میں نے تمہارے باپ (علیؑ) کو یہ کہتے ہوئے سنا: بلاشبہ میں خدا کی بارگاہ میں

وہ رتبہ اور مقام رکھتا ہوں کہ جو عبدالمطلب کے فرزندوں کے لیے روئے زمین کی تمام چیزوں سے بہتر ہے۔ عمر نے کہا: میں نے بھی اپنے باپ (علیؑ) کو یہ کہتے ہوئے سنا: منافق کے دل میں ایسا کوئی حکمت آمیز کلام نہیں ہوتا ـــ جسے وہ مرنے سے پہلے اپنی زبان سے ظاہر نہ کر دے۔ سعید نے کہا: اے بھتیجے! کیا یہ کہہ کر تم نے مجھے نفاق سے نسبت دی ہے؟ عمر نے جواب دیا: بات وہی ہے جو میں نے کہی ہے۔ اس کے بعد عمر بن علیؑ وہاں سے چلے گئے۔[1]

واقدی نقل کرتا ہے:

سعید بن مسیب امام علیؑ بن الحسینؑ کے جنازے کے پاس سے گزر گیا اور اس میں شامل نہ ہوا۔ تب اس سے پوچھا گیا: یہ نیکوکار مرد کہ جو اہل بیت صالحینؑ میں سے ہے، کیا تم اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھو گے؟ اس نے جواب دیا: میں اس صالح مرد کی نماز جنازہ پڑھنے کے مقابلے میں کسی اور جگہ پر دو رکعت نماز پڑھنا بہتر سمجھتا ہوں۔

سعید بن مسیب کی ذات کا تعارف کرانے اور خدا کے دین کے بارے میں اس کے علم کی کیفیت بتانے کے لیے درج ذیل روایت ہی کافی ہے:

قتادہ کا بیان ہے کہ میں نے سعید بن مسیب سے پوچھا: کیا (بنی امیہ کے جلاد) حجاج بن یوسف کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے؟

---

[1] ابن ابی الحدید: شرح نہج البلاغہ جلد ۱ صفحہ ۳۷

سعید نے جواب دیا: میں تو اس سے بھی بدتر شخص کے پیچھے نماز پڑھنے کو تیار ہوں۔[1]

۲ —— بخاری و مسلم اور دوسرے لوگوں کی بیان کی ہوئی اس روایت سے بظاہر اس بات کی نشاندہی ہوتی ہے کہ سابق الذکر دونوں آیات یکے بعد دیگرے ابوطالبؑ کی وفات کے وقت نازل ہوئی ہیں۔ نیز ان میں سے ہر ایک کا مفہوم بھی ان کے اس وقت نازل ہونے پر دلالت کرتا ہے، حالانکہ یہ بات درست نہیں ہے۔ کیونکہ پہلی آیت مدنی ہے اور مفسرین متفق ہیں کہ یہ فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی ہے۔ مزید برآں یہ سورۂ توبہ میں شامل ہے جو مدنی ہے اور قرآن مجید کا آخری سورۂ نازلہ ہے۔ جبکہ دوسری آیت سورۂ قصص میں ہے جو مکی سورہ ہے اور ان ہر دو آیات کے وقت نزول میں تقریباً ۱۰ سال کا فاصلہ ہے۔

۳ —— آیت استغفار (پیغمبرؐ اور مومنین کے لیے مناسب نہیں ....) ابوطالبؑ کی وفات کے تقریباً آٹھ سال بعد مدینہ میں نازل ہوئی تھی۔ کیا اس مدت میں رسول اکرمؐ اپنے ارشاد کے مطابق ابوطالبؑ کے لیے مغفرت کی دعا مانگتے رہے تھے[2] لیکن آپ ان کے لیے مغفرت کی دعا

---

[1] ابن حزم: المحلیٰ جلد ۴ صفحہ ۲۱۴

[2] بخاری وغیرہ کی روایت میں ہے کہ ابوطالبؑ نے کلمۂ توحید نہ پڑھا تو حضرت رسولؐ نے فرمایا: "خدا کی قسم! جب تک مجھے آپ کے لیے مغفرت کی دعا مانگنے سے منع نہیں کر دیا جائے گا —— میں یہ عمل کرتا رہوں گا۔"

کیسے مانگ سکتے تھے؟ جبکہ اس آیت کے نازل ہونے سے بہت پہلے ایک اور آیت کے ذریعے آنحضرتؐ کو اور مومنین کو مشرکوں اور منافقوں کے ساتھ محبت و دوستی رکھنے سے منع کر دیا گیا تھا۔[1]

جیسا کہ کہا گیا:

جو لوگ خدا اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، تم ان کو خدا اور اس کے رسولؐ کے دشمنوں سے دوستی کرتے ہوئے نہ دیکھو گے۔ اگرچہ وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا خاندان ہی کے لوگ ہوں۔ یہی وہ گروہ مومنین ہے جن کے دلوں میں خدا نے ایمان کو ثابت کر دیا ہے اور خاص اپنی روح سے ان کی تائید کی ہے۔[2]

سورۂ مجادلہ —— سات سوروں کے فاصلے سے —— سورۂ توبہ سے پہلے مدینہ میں نازل ہوا۔ گویا کہ سورۂ مجادلہ کی یہ آیت جس میں مشرکوں اور منافقوں کی دوستی سے منع کیا گیا —— سورۂ توبہ کی اس آیت سے بہت پہلے نازل ہوئی —— جس میں مشرکوں کے لیے مغفرت کی دعا مانگنے سے منع کیا گیا تھا۔[3]

---

[1] ظاہر ہے کہ مشرکوں اور منافقوں کے لیے مغفرت کی دعا مانگنا ان سے محبت و دوستی کا بڑا واضح ثبوت ہے۔

[2] سورۂ مجادلہ۔ آیت ۲۲

[3] تفسیر اتقان. جلد ا صفحہ ۱۷

جیسا کہ ابن ابی حاتم، طبرانی، حاکم، ابونعیم، بیہقی، ابن کثیر، شوکانی اور آلوسی نے نقل کیا ہے:

"بعض تفاسیر کے مطابق سورۂ مجادلہ کی یہ آیت ہجرت کے دوسرے سال میں جنگ بدر کے دن نازل ہوئی تھی، جبکہ سیرت حلبیہ کے مطابق مؤرخین اور مفسرین متفق ہیں کہ یہ آیت ہجرت کے تیسرے سال میں جنگ احد کے موقع پر نازل ہوئی ہے۔ [1]

پس ثابت ہوا کہ سورۂ مجادلہ میں منع دوستی بہ مشرکین کی یہ آیت سورۂ توبہ کی آیت استغفار سے کئی سال پہلے نازل ہوئی تھی۔ اس لیے ان دونوں آیتوں کے ابوطالبؑ کی وفات کے وقت نازل ہونے کی روایت جھوٹ کی پوٹ ہے۔

اس موضوع سے متعلق دیگر آیات

۱ــــ اے ایمان والو! مومنوں کی بجائے کافروں کو اپنا سرپرست اور دوست نہ بناؤ۔ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اپنے اوپر خدا کا ایک صریح الزام قائم کرلو۔ [2]

یہ آیت سورۂ نساء میں آئی ہے جو مکی سورہ ہے۔ لیکن نحاس کہتا ہے

---

[1] تفسیر ابن کثیر جلد ۴ صفحہ ۳۲۹ + تفسیر شوکانی جلد ۵ صفحہ ۱۸۹ + تفسیر آلوسی جلد ۲۸ صفحہ ۳۷

[2] سورۂ نساء - آیت ۱۴۴

کہ علقمہ وغیرہ اس بات کے قائل ہیں کہ قرآن کی جو آیت "اے لوگو" کے خطاب سے شروع ہو وہ مکی ہوتی ہے۔ پھر اگر ہم قرطبی کا وہ نظریہ قبول کرلیں جو اس نے بی بی عائشہ کے قول سے اخذ کیا ہے تو پھر سورۂ نساء ہجرت کے ابتدائی سالوں میں مدینہ میں نازل ہوا ہے۔ [1]

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سورۂ نساء مکی ہو یا مدنی ـــ ہر صورت یہ پہلے نازل ہوا ہے اور سورۂ توبہ ـــ اکیس سوروں کے فاصلے سے ـــ اس کے بعد نازل ہوا جس میں ہماری زیر بحث آیت استغفار آئی ہے۔ [2]

۲ـــ جو لوگ مومنوں کی بجائے کافروں کو دوست بناتے ہیں کیا وہ ان کے پاس عزت تلاش کرتے ہیں؟ [3]

یہ آیت بھی سورۂ نساء میں ہے جو سورۂ توبہ سے پہلے نازل ہوا ہے۔

۳ـــ مومنین کو چھوڑ کے کافروں کو اپنا سرپرست اور دوست نہ بنائیں اور جو کوئی ایسا کرے گا اس کا خدا سے کوئی تعلق نہیں ـــ

---

[1] تفسیر قرطبی جلد ۵ صفحہ ۱ + صحیح بخاری جلد ۶ صفحہ ۳۰، جہاں بی بی عائشہ سے مروی ہے کہ سورۂ نساء کا کوئی جزو نازل نہیں ہوا مگر اس صورت میں کہ میں رسول اکرمؐ کے ہاں تھی۔

[2] تفسیر اتقان جلد ۱ صفحہ ۱۷

[3] سورۂ نساء - آیت ۱۳۹

مگر یہ کہ ایسا تقیہ کی خاطر کیا جائے۔ ہاں خدا تم کو اپنی ہی ذات سے ڈراتا ہے اور تم کو خدا ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ [1]

یہ آیت سورۂ آل عمران میں ہے جس کی اس سے کچھ اوپر کی ابتدائی آیتیں ہجرت کے اوائل میں نجران کے عیسائی وفد کی مدینہ آمد کے دن نازل ہوئی ہیں۔ [2]

لیکن قرطبی اور دیگر مفسرین کا قول ہے کہ یہ آیت ہجرت کے پانچویں سال ــ جنگ احزاب (خندق) کے دن عبادۃ بن صامت کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ [3]

مذکورہ بالا ہر دو صورتوں میں سے خواہ کوئی بھی صورت رہی ہو مگر یہ بات طے ہے کہ سورۂ آل عمران ــ چوبیس سوروں کے فاصلے سے ــ سورۂ توبہ سے پہلے نازل ہوئی ہے۔ [4]

۴ ــ تم ان (منافقوں) کے لیے مغفرت کی دعا مانگو یا نہ مانگو کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ خدا انہیں ہرگز نہیں بخشے گا۔ [5]

یہ آیت سورۂ منافقون میں ہے اور جیسا کہ سیرت رسول[ص] اور

---

[1] سورۂ آل عمران - آیت ۲۸

[2] سیرت ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۲۰۷

[3] تفسیر قرطبی جلد ۴ صفحہ ۵۸ + تفسیر خازن جلد ۱ صفحہ ۲۳۵

[4] تفسیر اتقان جلد ۱ صفحہ ۱۷

[5] سورۂ منافقون - آیت ۶

غزوات پیغمبر[ص] کی کتابوں کے مؤلفین میں مشہور ہے۔ یہ سورہ ہجرت کے چھٹے سال میں غزوۂ بنی مصطلق کے موقع پر نازل ہوا یہی بات ابن کثیر نے بھی نقل کی ہے۔ [1]

پھر اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ سورۂ منافقون ــ آٹھ سوروں کے فاصلے سے ــ سورۂ توبہ سے پہلے نازل ہوا ہے۔ [2]

۵ ــ اے ایماندارو! اگر تمہارے ماں باپ اور بہن بھائی کفر کو ایمان پر ترجیح دیتے ہیں تو ان کو اپنا خیر خواہ نہ سمجھو اور جو کوئی ان سے الفت رکھے گا تو یہی لوگ ظالم ہیں۔ [3]

۶ ــ اے پیغمبر[ص]! تم ان (منافقوں یا کافروں) کے لیے مغفرت کی دعا مانگو یا نہ مانگو ــ اگر تم ان کے لیے ستر بار بھی دعا مانگو گے تو بھی خدا ان کو ہرگز نہ بخشے گا۔ [4]

یہ دونوں آیتیں سورۂ توبہ میں ہیں جو اسی سورے کی زیر بحث آیت استغفار سے پہلے نازل ہوئی ہیں۔

کیا آیت استغفار سے پہلے کی نازل شدہ ان تمام آیات[5] کے

---

[1] تفسیر ابن کثیر جلد ۴ صفحہ ۳۶۹ + تفسیر قرطبی جلد ۱۸ صفحہ ۱۲۷

[2] تفسیر اتقان جلد ۱ صفحہ ۱۷ [3] سورۂ توبہ - آیت ۲۳

[4] سورۂ توبہ آیت ۸۰

[5] سورۂ آل عمران - آیت ۲۸ + سورۂ نساء - آیت ۱۳۹، ۱۴۴ + سورۂ توبہ آیت ۲۳، ۸۰ + سورۂ مجادلہ - آیت ۲۲ + سورۂ منافقون - آیت ۶

ہوتے ہوئے یہ بات قابلِ قبول ہے کہ مخالفین کے بقول رسول اکرمؐ کے جو چچا کفر کی حالت میں فوت ہوئے ہوں ــــ آنحضرتؐ سالہا سال تک ان کے لیے دعائے مغفرت کرتے رہے ہوں؟ جبکہ آپ ابوطالبؑ کی ساری زندگی میں ان کے حالات کا نزدیک سے مشاہدہ کرتے رہے تھے! لہٰذا ممکن ہی نہیں کہ ایسا ہوا ہو اور یہ ممکن ہی نہیں کہ عالی مرتبہ پیغمبرؐ نے ایسا کیا ہو!!

شاید ان تمام دلائل کی بنا پر ہی حسین بن فضل نے آیت استغفار کا ابوطالبؑ کے بارے میں نازل ہونا بعید سمجھا اور کہا ہے:

اس آیت کا ابوطالبؑ کے بارے میں نازل ہونا ایک بعید بات ہے۔ کیونکہ یہ سورۂ توبہ میں ہے جو قرآن مجید میں نازل ہونیوالے آخری سوروں میں سے ہے، جب کہ ابوطالبؑ اسلام کے ابتدائی دور میں ہی فوت ہو گئے اور اس وقت رسول اکرمؐ ابھی مکہ میں ہی تھے۔ حسین بن فضل کے اس قول کو درست قرار دیتے ہوئے قرطبی نے بھی اسے نقل کیا ہے۔ [1]

ایسی روایات بھی موجود ہیں جو اس آیت کے ابوطالب کے بارے میں نازل ہونے کی روایت سے متضاد ہیں اور ہم ان میں سے چند ایک یہاں نقل کرتے ہیں:

۱ــــ طیالسی، ابن ابی شیبہ، احمد، ترمذی، نسائی، ابویعلیٰ، ابن جریر،

[1] تفسیر قرطبی جلد ۸ صفحہ ۲۷۳

ابن منذر، ابن ابی حاتم، ابوالشیخ، حاکم،[1] ابن مردویہ، بیہقی[2] اور ضیاء[3] نے (امام) علیؑ سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا:

میں نے ایک شخص کو اپنے والدین کے لیے استغفار کرتے سنا اور اس کے ماں باپ دونوں ہی مشرک تھے۔ میں نے کہا: وہ دونوں مشرک تھے اور پھر بھی تم ان کے لیے استغفار کرتے ہو؟ اس نے کہا: کیا ابراہیمؑ نے بھی اسی طرح استغفار نہ کی تھی۔ اس کے بعد میں نے یہ واقعہ رسول اکرمؐ کے سامنے پیش کیا اور یہ آیات نازل ہوئیں:

"پیغمبر اور مومنین پر جب ظاہر ہو چکا کہ مشرکین جہنمی ہیں تو اس کے بعد مناسب نہیں کہ ان کے لیے مغفرت کی دعائیں مانگیں ــــ اگرچہ وہ مشرکین انکے قرابتدار ہی کیوں نہ ہوں ــــ اور ابراہیمؑ کا اپنے چچا (آذر) کے لیے معافی کی دعا مانگنا صرف اس وعدے کی وجہ سے تھا جو انہوں نے اپنے چچا سے کیا تھا۔ پھر جب انہیں معلوم ہو گیا کہ وہ خدا کا دشمن ہے تو وہ اس سے بیزار ہو گئے، بے شک ابراہیم بڑے صابر اور بردبار تھے۔[4]

اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ مشرکین کے لیے استغفار کا ناجائز

[1] حاکم نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

[2] [3] اس حدیث کو بیہقی نے شعب الایمان اور ضیاء نے مختارہ میں نقل کیا ہے۔

[4] سورۂ توبہ۔ آیت ۱۱۳، ۱۱۴

ہونا ایک جانی پہچانی بات تھی جس کی صراحت اس آیت کے نزول سے پہلے ہی ہو چکی تھی اور اسی بنا پر امام علیؑ نے اس شخص کی بات پر گرفت کی تھی۔ لیکن اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ ابوطالبؑ مشرک تھے تو بھی امام کا یہ قول اس بات کی تائید نہیں کرتا کہ رسول اکرمؐ اپنے چچا کے لیے دعائے مغفرت کرتے تھے۔ چنانچہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ امامؑ سے گفتگو کرنے والا شخص اپنے عمل کی توجیہ میں یہ نہیں کہتا کہ جیسے رسول اکرمؐ اپنے چچا کے لئے دعائے مغفرت کرتے ہیں، میں بھی اپنے مشرک والدین کے لیے دعا کرتا ہوں۔ وہ جانتا تھا کہ آنحضرتؐ مشرکین کے لیے ہرگز استغفار نہیں فرماتے۔

۲۔۔۔ مذکورہ بالا حدیث کے بارے میں سید زینی دحلان لکھتے ہیں:

یہ حدیث صحیح ہے اور اس کے ثبوت میں ہمارے پاس ابن عباس کی ایک روایت موجود ہے جس کا مضمون یہ ہے:

لوگ اپنے باپ دادا کے لیے مغفرت کی دعا کرتے تھے۔ حتیٰ کہ سورۂ توبہ کی زیر بحث آیت ۱۱۳ نازل ہوئی۔ اس کے بعد ان لوگوں نے اپنے مشرک مردگان کے لیے استغفار کرنا ترک کر دیا لیکن اپنے زندہ مشرک عزیزوں کے لیے ان کی زندگی تک استغفار کرنا نہ چھوڑا۔ تب خدائے تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

"اور ابراہیمؑ کا اپنے چچا (آذر) کے لیے معافی کی دعا مانگنا۔۔۔"

یعنی جب تک ابراہیمؑ کا چچا زندہ رہا وہ اس کے لیے استغفار کرتے رہے، لیکن اس کے فوت ہو جانے کے بعد انہوں نے یہ عمل ترک کر دیا" اور۔۔۔۔

یہ ایک سچی گواہی ہے اور جب یہ سابق الذکر روایت کی تائید کر رہی ہے تو پھر اس کی صحت یقینی ہو جائے گی اور اس پر لازماً عمل کرنا ہوگا۔ چنانچہ اس پہلی روایت کا واضح مطلب یہ ہے کہ ۔۔۔ آیت استغفار جس پر بحث ہو رہی ہے، وہ ابوطالب کے بارے میں نہیں بلکہ عام لوگوں کو اپنے مشرک اجداد کے لیے استغفار کرنے کی ممانعت کرنے کے لیے نازل ہوئی ہے۔

۳۔۔۔ صحیح مسلم، مسند احمد حنبل، سنن ابوداؤد، سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ کے مؤلفین نے آیت استغفار کے نزول میں ابوہریرہ سے نقل کیا ہے کہ اس نے کہا:

جب رسول اکرمؐ اپنی والدہ کے مزار پر آئے تو آپ بہت روئے اور تمام ساتھیوں کو بھی رلایا۔ پھر آنحضرتؐ نے فرمایا: "میں نے خدائے تعالیٰ سے اجازت مانگی کہ اپنی ماں کے لیے استغفار کروں لیکن اس نے اجازت نہ دی۔ پھر میں نے اپنی ماں کی قبر کی زیارت کرنے کی اجازت مانگی تو خدائے تعالےٰ نے اس کی اجازت دے دی۔ پس تم بھی قبروں کی زیارت کیا کرو کیونکہ یہ چیز آخرت کی یاد دلاتی ہے۔ [1]

۴۔۔۔ حاکم، طبری، ابن ابی حاتم اور بیہقی نے ابن مسعود کے طریقے سے نیز بریدہ، طبرانی، ابن مردویہ اور طبری نے عکرمہ کے طریقے سے ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا:

---

[1] ارشاد الساری فی شرح بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۵۱

جب رسول اکرمؐ غزوہ تبوک سے واپس آئے تو آپ نے عمرہ ادا کیا اور پھر اپنی والدہ کی قبر پہ گئے۔ تب آپ نے خدائے تعالیٰ سے ان کے لیے استغفار کرنے کی اجازت مانگی اور یہ تمنا بھی کی کہ وہ آپ کو قیامت کے دن ان کی شفاعت کرنے کی اجازت بھی دے۔ لیکن خدائے تعالیٰ نے آپ کی یہ دونوں دعائیں قبول نہ فرمائیں اور اس وقت آیت استغفار نازل ہوئی۔[1]

۵ — عطیہ عوفی سے روایت ہے کہ اس نے کہا:

جب رسول اکرمؐ مکہ روانہ ہوئے تو آپ اپنی والدہ کی قبر پہ اتنی دیر تک کھڑے رہے، حتیٰ کہ دھوپ نے آپ کو تپا دیا۔ کیونکہ آنحضرتؐ کو امید تھی کہ انہیں اپنی والدہ کے لیے استغفار کی اجازت مل جائے گی۔ لیکن ایسا نہ ہوا اور پھر یہ آیت نازل ہوئی:

"پیغمبرؐ اور مومنوں کے لیے مناسب نہیں کہ۔۔۔۔"[2]

زمخشری نے — آیت استغفار کے ابوطالبؑ کے بارے میں نزول کی مشہور حدیث نقل کی ہے اور پھر اس حدیث کو جو ابھی اوپر بیان ہوئی، مذکورہ آیت کے نزول کا سبب قرار دیا اور کہا ہے:

یہ روایت حقیقت سے قریب تر ہے کیونکہ ابوطالبؑ ہجرت سے پہلے فوت ہو گئے تھے، جب کہ زیر بحث آیت (استغفار) اس سورے کی آخری

---

۱ تفسیر طبری جلد ۱۱ صفحہ ۳۱ + ارشاد الساری جلد ۷ صفحہ ۲۷۰ + درِ منثور جلد ۳ صفحہ ۲۸۳

۲ تفسیر طبری جلد ۱۱ صفحہ ۳۱

آیات میں سے ہے جو مدینہ میں نازل ہوا ہے۔[1]

قسطلانی لکھتا ہے:

تاریخ میں مذکور ہے کہ رسول اکرمؐ عمرہ کے دوران اپنی والدہ کی قبر پر گئے اور خدائے تعالیٰ سے ان کے لیے استغفار کرنے کی اجازت مانگی — اس وقت آیت استغفار نازل ہوئی۔[2]

ابن ابی حاتم اور حاکم نے ابن مسعود سے اور طبرانی نے ابن عباس سے یہی قول نقل کیا ہے جو بجائے خود اس بات کی دلیل ہے کہ آیت استغفار ابوطالبؑ کی وفات کے بعد نازل ہوئی ہے۔ پس حقیقت یہ ہے کہ سورۂ توبہ اور سورۂ مجادلہ کی مذکورہ آیات متصلاً نہیں آئی ہیں۔

علامہ امینی لکھتے ہیں:

وہ تمام آیات کہ جن کا ہم نے پیشتر ذکر کیا اور وہ سب کی سب زیر بحث آیت (استغفار) سے پہلے نازل ہوئی ہیں۔ ان آیتوں کے آجانے کے باوجود بھی غزوۂ تبوک کے دن تک رسول اکرمؐ کو کیوں اور کیسے یہ علم نہیں ہوا کہ ان کو اور مومنین کو مشرکین کے لیے استغفار اور شفاعت کی اجازت نہیں دی گئی؟ آیا آنحضرتؐ نے جانتے بوجھتے ہوئے اپنی والدہ کے لیے خدائے تعالیٰ سے مغفرت اور شفاعت طلب کی؟ یا شاید آپ نے یہ خیال کیا کہ ان کی والدہ کا معاملہ دوسرے انسانوں سے الگ ہے؟ یا ایسا ہے کہ

---

۱ تفسیر کشاف جلد ۲ صفحہ ۴۹

۲ ارشاد الساری جلد ۷ صفحہ ۲۷۰

یہ روایت جعلی ہے جو رسول اکرمؐ کی شان کے خلاف ہے اور آنحضرتؐ کی والدہ ماجدہ کے پاک دامن کو بھی شرک سے آلودہ کر رہی ہے۔

۶۔۔۔ قتادہ سے روایت ہے کہ اس نے کہا: ہم تک یہ بات پہنچی ہے کہ رسول اکرمؐ کے کچھ اصحاب نے کہا:

اے خدا کے رسولؐ! ہمارے بعض اجداد ہمسایوں کے ساتھ اچھا سلوک کرتے تھے، صلۂ رحم کا لحاظ رکھتے تھے، اسیروں کو رہا کراتے تھے اور اپنے وعدے پورے کیا کرتے تھے، کیا ہم ان کے لیے استغفار نہ کریں؟

آنحضرتؐ نے جواب دیا: "خدا کی قسم! میں اپنے باپ کے لیے مغفرت کی دعا کرتا ہوں جیسے ابراہیمؑ اپنے چچا (آذر) کے لیے دعا کرتے تھے۔"

تب خدائے تعالیٰ نے آیت استغفار نازل کی اور اس کے ایک حصے میں ابراہیمؑ کے عمل کو مستثنیٰ قرار دیا۔ [1]

۷۔۔۔ طبری نے عطیہ عوفی کے طریقے سے ابن عباس کا یہ قول نقل کیا ہے:

رسول اکرمؐ اپنے والد کے لیے دعائے مغفرت کرنا چاہتے تھے۔ اس پر خدائے تعالیٰ نے آپ کو ایسا کرنے سے روک دیا اور یہ آیت نازل کی:

"پیغمبرؐ اور مومنین کے لیے مناسب نہیں کہ مشرکوں کے
لیے مغفرت کی دعا مانگیں۔۔۔۔"

رسول اکرمؐ نے عرض کیا: "ابراہیمؑ نے تو اپنے چچا (آذر) کے لیے استغفار کی تھی۔" اس وقت یہ آیت نازل ہوئی: ابراہیمؑ کا اپنے چچا (آذر)

---

[1] تفسیر طبری جلد ۱۱ صفحہ ۳۱

کے لیے معافی کی دعا مانگنا صرف اس وعدے کی وجہ سے تھا جو انھوں نے اس سے کیا تھا۔۔۔۔۔ [1]

مذکورہ بالا روایات (۶ - ۷) سے ظاہر ہوتا ہے کہ آیت استغفار کا نزول رسول اکرمؐ کے باپ اور بعض صحابہ کے باپوں کے بارے میں ہوا، لیکن آنحضرتؐ کے چچا اور والدہ کے لیے نہیں تھا۔

۸۔۔۔ طبری کہتا ہے:

بعض لوگوں نے کہا ہے کہ اس آیت میں استغفار کے معنی نماز جنازہ پڑھنے کے ہیں۔ پھر وہ مثنیٰ کے طریق سے عطا ابن ابی رباح کا یہ قول بیان کرتا ہے:

میں نے اہل قبلہ میں سے کسی کی نماز جنازہ پڑھنا کبھی ترک نہیں کیا اگرچہ وہ ولد الزنا حبشی ہی کیوں نہ ہو، کیونکہ میں نے نہیں سنا کہ خدائے تعالیٰ نے مشرکین کے علاوہ کسی اور کی نماز جنازہ پڑھنے سے منع فرمایا ہو۔ جیسا کہ فرماتا ہے:

"پیغمبرؐ اور مومنین کے لیے مناسب نہیں کہ مشرکوں کے
لیے استغفار کریں۔۔۔۔" [2]

اگر یہ تفسیر صحیح ہے تو پھر ان تمام روایات کے خلاف ہے جو ہم نے نقل کی ہیں کیونکہ وہ روایتیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ آیت کا مطلب

---

[1] درمنثور جلد ۳ صفحہ ۳۸۳

[2] تفسیر طبری جلد ۱۱ صفحہ ۳۳

مغفرت طلب کرنا ہے، جیسا کہ لفظ استغفار کے ظاہری معنی سے معلوم ہوتا ہے۔

ہم نے جو آٹھ روایتیں نقل کی ہیں وہ ایک دوسری کی مخالفت کرتی ہیں۔ پھر یہ سب بخاری کی اس مشہور روایت سے بھی اختلاف رکھتی ہیں جس پر ہماری بحث ہو رہی ہے۔ پس ان سب کا باہمی تضاد ان کو بے اعتبار بنا دیتا ہے۔ لہٰذا ان کو کسی معاملے میں سند قرار نہیں دیا جا سکتا ــــ خصوصاً جب ان پر اعتماد کرنے کا نتیجہ ایک نیکوکار مسلمان کو کافر قرار دینا اور ایک ایسے شخص کو دین سے خارج کرنا ہو ــــ جس نے دین کی خاطر اپنا سب کچھ لٹا دیا ہو۔

بخاری کی روایت سے جس چیز کا پتا چلتا ہے وہ یہ ہے کہ آیت استغفار ابوطالبؑ کی وفات کے زمانے میں نازل ہوئی ہے، جیسا کہ ابو اسحاق بن بشر اور ابن عساکر کی روایت سے ظاہر ہوتا ہے جو انہوں نے حسن سے نقل کی ہے کہ اس نے کہا:

جب ابوطالبؑ نے وفات پائی تو رسول اکرمؐ نے فرمایا: ابراہیمؑ نے اپنے چچا (آذر) کے لیے استغفار کیا، حالانکہ وہ مشرک تھا۔ اسی لیے میں بھی اپنے چچا کے لیے ایسا ہی کروں گا۔ حتیٰ کہ ان کی نجات کی صورت میں اپنا مقصد حاصل کروں۔ اس پر خدائے تعالیٰ نے یہ آیت بھیجی: پیغمبرؐ اور مومنین کے لیے مناسب نہیں کہ مشرکوں کے لیے استغفار کریں.....

اس آیت میں مشرک سے مراد ابوطالبؑ تھے۔ چونکہ یہ بات رسول اکرمؐ کو گراں گزری تھی، اس لیے خدائے تعالیٰ نے اپنے پیغمبرؐ کو مخاطب کیا اور فرمایا: اور ابراہیمؑ کا اپنے چچا (آذر) کے لیے معافی

کی دعا مانگنا صرف اس وعدے کی وجہ سے تھا جو انہوں نے اپنے چچا سے کیا تھا۔ [1]

اگرچہ یہ روایت امام علیؑ کے اس قول سے متناقض ہے جو ابن سعد اور ابن عساکر نے نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا:

میں نے حضرت رسولؐ کو ابوطالب کی وفات کی خبر دی تو آپ رو پڑے اور فرمایا: جاؤ انہیں غسل دو اور ان کے کفن و دفن کا انتظام کرو، خدا انہیں بخشے اور ان پر رحمت کرے۔ میں نے ایسا ہی کیا ــــ پھر رسول اکرمؐ نے کئی روز تک ان کے لیے استغفار فرمائی اور اسی وجہ سے آپ گھر سے باہر نہیں نکلتے تھے۔ حتیٰ کہ جبرئیل خدا کی طرف سے آنحضرتؐ کے پاس یہ آیت لائے: "پیغمبرؐ اور مومنین کے لیے مناسب نہیں کہ وہ مشرکوں کے لیے استغفار کریں۔ [2]

ابن سعد، ابوالشیخ اور ابن عساکر نے سفیان بن عُیینہ کے طریق سے عمر کا جو قول نقل کیا ہے شاید وہ زیادہ مناسب ہو کہ انہوں نے کہا:

جب ابوطالبؑ فوت ہو گئے تو رسول اکرمؐ نے ان کے بارے میں فرمایا: خدائے تعالیٰ ان کو بخشے اور ان پر رحمت کرے ــــ ہاں تو جب تک خدا مجھے منع نہیں فرماتا، میں ان کے لیے استغفار کرتا رہوں گا۔ اس کے بعد عام مسلمان بھی اپنے مردگان کے لیے استغفار کرنے لگے

---

[1] درمنثور جلد ۳ صفحہ ۲۸۳

[2] طبقات ابن سعد جلد ۱ صفحہ ۱۰۵ + درمنثور جلد ۳ صفحہ ۲۸۲

جو شرک کی حالت میں مرے تھے۔ تب خدائے تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

پیغمبرؐ اور مومنین کے لیے مناسب نہیں کہ وہ مشرکوں کے لیے استغفار کریں۔[1]

تاہم ساری امت اسلامیہ اس بات پر متفق ہے اور ہم بھی یہ بتا چکے ہیں کہ سورۂ توبہ جس میں ـــــ آیت استغفار آئی ہے وہ قرآن مجید کے آخری سوروں میں سے ہے اور اس کا نزول فتح مکہ کے بعد ہوا تھا۔ یہ وہی سورہ ہے جو رسول اکرمؐ نے ابوبکر کو دیکر مکہ بھیجا تاکہ وہ اسے اہل مکہ تک پہنچائیں۔ لیکن پھر وحی الٰہی کے مطابق ابوبکر کو واپس بلاکر یہ کام امیرالمومنین علیؑ کے سپرد کیا اور فرمایا:

اس سورے کو بجز میرے یا اس شخص کے جو مجھ سے ہو ـــــ کوئی بھی دوسرے لوگوں تک نہیں پہنچا سکتا۔[2]

ایک صحیح حدیث جو پہلے ہم نے شمار (۴) صفحہ ۲۱۱ پر نقل کی اور جس میں کہا گیا ہے کہ آیت استغفار کا نزول ۹ھ ہجری میں رسول اکرمؐ

۱۔ درمنثور جلد ۳ صفحہ ۲۸۳

۲۔ درمنثور جلد ۳ صفحہ ۲۰۹ + کنزالعمال جلد ۱ صفحہ ۲۴۷ + تفسیر شوکانی جلد ۲ صفحہ ۳۱۹ + ریاض النضرہ جلد ۲ صفحہ ۱۴۷ + ذخائر العقبیٰ صفحہ ۶۹ + تفسیر ابن کثیر جلد ۲ صفحہ ۳۳۳ + مجمع الزوائد جلد ۷ صفحہ ۲۹ + عینی: شرح صحیح بخاری جلد ۸ صفحہ ۶۳۷ + تفسیر المنار جلد ۱۰ صفحہ ۱۵۷ وغیرہ۔

کی غزوۂ تبوک سے واپسی کے بعد ہوا۔ نیز ان تمام قرائن کے ہوتے ہوئے اس آیت کے ابوطالبؑ کی وفات کے وقت یا اس سے چند دن بعد نازل ہونے کی کیا دلیل ہے؟ پھر بخاری کی حدیث اور ایسی ہی دوسری جھوٹی روایتیں کیونکر صحیح ہو سکتی ہیں؟

آیت استغفار کے سیاق اور انداز بیان میں اس عمل کی نفی ہوئی ہے اور اس میں نہی کا پہلو نہیں ہے کہ رسول اکرمؐ نے ابوطالبؑ کے لیے استغفار کی اور بعد میں انہیں اس سے منع کر دیا گیا۔ بلکہ اس آیت کا مفہوم یہ نکلتا ہے کہ آنحضرتؐ اپنے چچا کے ایمان کا علم رکھتے ہوئے ان کے لیے استغفار کرتے تھے لیکن جو لوگ آنحضرتؐ کے قریب رہتے تھے ان کو ابوطالبؑ کے ایمان کا علم نہ تھا۔ کیونکہ ظاہری طور پر ابوطالبؑ قریش کے مذہب سے موافقت رکھتے تھے۔ پس یہ لوگ یا تو آنحضرتؐ کے اس عمل پر اعتراض کرتے تھے یا آپ کے عمل کو اپنے مشرک عزیزوں کے لیے استغفار کرنے کا جواز قرار دیتے تھے۔ جیسے وہ حضرت ابراہیمؑ کے عمل کو بھی بطور دلیل پیش کرتے تھے۔ اس لیے خدائے تعالیٰ نے مذکورہ آیت نازل فرمائی ـــــ جس میں رسول اکرمؐ کا دامن اس غلط کام سے پاک قرار دیا اور ابراہیمؑ کے عمل کو بھی مستثنیٰ کر دیا۔ علاوہ ازیں جیسا کہ ان لوگوں کو غلط فہمی ہوئی، ہر وہ شخص کہ جس کے لیے رسول اکرمؐ نے استغفار کی ہے وہ مشرک نہ تھا۔ پس آنحضرتؐ کا ابوطالبؑ کے لیے استغفار کرنا بجائے خود اس بات کی قوی دلیل ہے کہ ابوطالبؑ مشرک نہیں تھے۔ چنانچہ امت کے جن بزرگوں نے اس حقیقت کو سمجھ لیا تھا، انہوں نے رسول اکرمؐ کے

اس عمل کو اپنے مشرک اجداد کے لیے استغفار کرنے کا جواز نہیں بنایا اور فقط حضرت ابراہیمؑ ہی کے عمل سے استناد کیا ہے۔

جیسا کہ گزشتہ صفحات میں امام علیؑ کی اس شخص سے گفتگو کے بارے میں ایک حدیث نقل کی گئی ہے جو اپنے مشرک والدین کے لیے استغفار کرتا تھا، اگر وہ شخص ابو طالبؑ کو مشرک سمجھتا ہوتا تو اس کے لیے حضرت ابراہیمؑ کی اپنے چچا آذر کے حق میں مغفرت کی دعا سے استدلال کرنے کی نسبت رسول اکرمؐ کے عمل سے استدلال کرنا زیادہ مناسب تھا جو ابو طالبؑ کے لیے استغفار کرتے تھے اور یہ بات کسی سے پوشیدہ نہ تھی۔ تاہم اس شخص نے فقط حضرت ابراہیم کے عمل سے استدلال کرنے پر ہی اکتفا کیا تھا۔ یہ حدیث ہم نے صفحہ ۲۰۸ پر درج کی ہے۔ آپ اسے وہاں دیکھ کر مزید اطمینان کر سکتے ہیں۔

کیا ہم بخاری کی روایت قبول کر لیں اور ان روایات کو نظر انداز کر دیں:

۱۔۔۔ عباس رضؓ نے ابو طالبؑ کے اقرار شہادتین کے بارے میں کہا اور رسول اکرمؐ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے: اے چچا! شکر ہے خدا کا جس نے آپ کو ہدایت کی راہ دکھائی۔

۲۔۔۔ امیر المومنینؑ نے فرمایا ہے: ابو طالبؑ دنیا سے نہیں گئے مگر اس وقت جب انہوں نے رسول اکرمؐ کو اپنے آپ سے خوش کر لیا تھا۔

۳۔۔۔ خود رسول اکرمؐ نے فرمایا ہے: میں اپنے پروردگار کی جانب سے ابو طالبؑ کے لیے ہر بھلائی کی امید رکھتا ہوں۔

ابو طالبؑ نے اپنی وفات کے وقت قریش اور بنی عبد المطلب کو وصیت کی کہ وہ محمدؐ کی اطاعت کریں اور ان کا حکم مانیں، کیونکہ یہی کام ہدایت اور نجات کا موجب ہے۔

انہوں نے یہ بھی کہا کہ رسول اکرمؐ قریش کے امین اور عرب کے صدیق ہیں۔ نیز ابو طالبؑ نے اپنی نظم اور نثر میں بھی ان باتوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔

اگر ہم ان سب روایتوں سے چشم پوشی بھی کر لیں، تو بھی ہم اس بات کو قبول نہیں کر سکتے کہ ابو طالبؑ نے اپنے آخری وقت میں "عبد المطلب کے مذہب پر" کے الفاظ کہہ کر ایمان لانے سے انکار کر دیا ہو۔ کیونکہ ہمیں اس میں کوئی شک نہیں کہ عبد المطلب ـــ ان پر خدا کا سلام ہو ـــ حق کے پیرو تھے اور اس شریعتِ الٰہی پر عمل کرتے تھے جو خدا نے اس زمانے میں بنی نوع انسان کے لیے پسند فرمائی تھی۔

وہ مبداء اور معاد کے معتقد تھے اور رسول اکرمؐ کی رسالت کی جان پہچان رکھتے تھے جس کا نور ان کے چہرے کے نقوش میں نمایاں تھا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ رسول اکرمؐ ان کی نسل میں سے ہوئے ہیں۔

عبد المطلب کس مذہب پر تھے؟

۱۔۔۔ عبد المطلب نے ابرہہ بن صباح سے کہا:

میں ان اونٹوں کا مالک ہوں اور اس گھر (کعبہ) کا بھی ایک مالک (خدا) ہے، وہی اس کو تمہارے حملے سے

بچائے گا۔[1]

۲ــــ عبدالمطلبؑ نے اپنے ننھے سے پوتے (محمدؐ) کو اپنے ہاتھوں پر بلند کر کے بارش کے لیے یوں دعا مانگی:

اے پروردگار! اس بچے کی خاطر سے مینہ برسا دے! پھر آسمان پر بادل چھا گئے اور زور کی بارش ہوئی۔[2]

۳ــــ عبدالمطلب نے کہا:

بلاشبہ میری نسل سے ایک پیغمبر (محمدؐ) ہوگا۔ میری خواہش تھی کہ اس زمانے میں زندہ ہوتا اور اس پر ایمان لاتا۔ پس میرے فرزندوں میں سے جو کوئی اس کا زمانہ دیکھے، وہ اس پر ایمان لائے۔[3]

۴ــــ عبدالمطلب نے کہا:

خدا کی قسم! اس دنیا کے بعد ایک اور دنیا ہے جس میں نیکوکار کو اس کی نیکی کا بدلہ ملے گا اور بدکار اپنی بدکاری کی سزا پائے گا۔[4]

ان تمام باتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ عبدالمطلب ــــ توحید، نبوت اور قیامت پر ایمان رکھتے تھے۔ نیز سیوطی نے بھی اپنی کتابوں میں عبدالمطلب کے انہی عقائد کا ذکر کیا ہے۔[5] پس ابوطالبؑ نے جب یہ کہا تھا کہ "عبدالمطلب

---

[1] زرقانی: شرح مواہب الدنیہ جلد ا صفحہ ۱۰۶ [2] شہرستانی: ملل و نحل۔ فصل ۳ حاشیہ صفحہ ۲۲۵ [3] سید بن طاؤس: طرائف صفحہ ۸۵ + ابوالحسن شریف: ضیاء العالمین [4] الغدیر جلد ۷ صفحہ ۳۵۳

[5] سیوطی کی کتابوں کے نام یہ ہیں: مسالک الحنفاء، درج المنیفہ، مقامتہ السندسیہ، تعظیم والمنۃ، نشر العلمین۔

کے مذہب پر" تو ان کا مدعا یہ تھا کہ میں بھی اپنے والد عبدالمطلب کی طرح توحید، نبوت اور قیامت پر اعتقاد رکھتا ہوں۔ پس یہ کہا جا سکتا ہے کہ ابوطالبؑ نے یہ تمام اصول و مبادی تسلیم کر لیے تھے۔ نیز اب اس بات پر مسلسل نصوص کا اضافہ بھی کیا جا سکتا ہے کہ انہوں نے اپنی تمام عمر نبی رحمت محمد مصطفیٰؐ کی دعوت و تبلیغ کی تصدیق اور تائید کرنے میں گزاری ہے۔

آخری آیت پر ایک نظر

زیرِ بحث آیت یوں ہے:

(اے پیغمبرؐ) تم جس کو چاہو راہِ ہدایت پر نہیں لا سکتے لیکن خدا جس کو چاہے راہِ ہدایت پر لا سکتا ہے اور وہ ہدایت پانے والوں سے خوب واقف ہے۔[1]

اب تک ہم نے اس سلسلے میں جو وجوہ بیان کی ہیں، شاید ان سے سردارِ مکہ ابوطالبؑ کا کفر ثابت کرنے کے لیے آیاتِ قرآنی سے کیے جانے والے استدلال کا غلط ہونا قارئین پر واضح ہو گیا ہو۔ اب صرف تیسری اور آخری آیت ہی رہ گئی ہے۔ لہٰذا ہم اس کے مفہوم کا ایک جائزہ پیش کرتے ہیں:

یہ آیت قرآن مجید کی دو آیات کے درمیان اس طرح واقع ہے:

پہلی آیت:

ان (مومنوں) نے جب کسی سے کوئی بری بات سنی تو اس سے الگ رہے اور صاف کہہ دیا کہ ہماری کرنی ہمارے لیے اور تمہاری کرنی تمہارے لیے ہے۔ بس تمہیں سلام کہ ہم

---

[1] سورہ قصص: آیت ۵۶

جاہلوں کی صحبت نہیں چاہتے ہیں۔

زیرِ بحث درمیانی آیت :

(اے پیغمبرؐ!) تم جس کو چاہو راہ ہدایت پر نہیں لا سکتے، لیکن خدا جس کو چاہے راہِ ہدایت پر لا سکتا ہے اور وہ ہدایت پانے والوں سے خوب واقف ہے۔

تیسری آیت :

(اے رسولؐ!) کفار تم سے کہتے ہیں کہ اگر ہم تمہارے ساتھ دین حق کی پیروی کریں تو ہم اپنے ملک سے اچک لیے جائیں، تو کیا ہم نے انہیں امن کی جگہ حرم مکہ میں نہیں رکھا، جہاں ہماری بارگاہ سے ہر قسم کے پھل روزی کے واسطے چلے آتے ہیں لیکن بہت سے لوگ یہ جانتے ہی نہیں ہیں۔

ان میں سے پہلی مومنوں کی تعریف میں ہے۔

تیسری آیت میں خدا نے ان لوگوں کا ذکر کیا ہے جو اس خوف سے ایمان نہیں لاتے تھے کہ مکہ سے اغوا نہ کر لیے جائیں یا قتل و غارت میں گرفتار نہ ہو جائیں۔

پس ان آیات کے سیاق اور پیرایۂ بیان سے یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ زیرِ بحث درمیانی آیت میں خدائے تعالٰے کا قصد یہ ہے کہ جن ہدایت یافتہ لوگوں کا ذکر اس سے پہلی آیت میں آیا ہے ان کا حال بیان کرے اور یہ بتائے کہ ان کی ہدایت کا تعلق رسول اکرمؐ کی دعوت سے نہیں بلکہ خدائے تعالیٰ کی مشیت اور ارادہ سے ہے اور اسی پر قائم ہے۔ بلاشبہ

یہ ہدایت جبر کی شکل میں نہیں بلکہ ایک قسم کی توفیق ہے جیسے کہ گمراہ لوگوں کے معاملے میں خدا کے ارادے کا مطلب ایک قسم کی ذلت اور خواری ہے جو خدا کی طرف سے گمراہ شخص پر آ گئی ہے اور اس میں بھی کوئی جبر نہیں ہوا لیکن اگر دعوت پہنچانے میں پیغمبرؐ کا کردار ہدایت ملنے کے ایک عامل کا ہو تو اس کی یہ صورت ہو گی جو مندرجہ ذیل آیت میں بیان ہوئی ہے :

پس اگر تم سرتابی کرو گے تو بس رسولؐ پر اتنا ہی واجب ہے جس کے وہ ذمہ دار بنائے گئے ہیں اور جس کے ذمہ دار تم بنائے گئے ہو وہ تم پر واجب ہے۔ اگر تم رسولؐ کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پاؤ گے اور رسولؐ پر تو صرف صاف صاف طور پر احکام کا پہنچانا ہی فرض ہے۔[1]

اس بیان سے واضح ہوتا ہے :

(اے پیغمبرؐ!) تم جس کو چاہو راہِ ہدایت پر نہیں لا سکتے لیکن خدا جس کو چاہے راہِ ہدایت پر لا سکتا ہے اور وہ ہدایت پانے والوں سے خوب واقف ہے۔ یہ آیت ابو طالبؑ کے وقتِ آخر رسولِ اکرمؐ کی طرف سے دعوتِ اسلام دینے اور ان کے اس سے انکار کرنے اور پھر "عبدالمطلب کے مذہب پر" کہنے کی روایت سے دور کا تعلق بھی نہیں رکھتی۔ اس کی بجائے اس سے پہلے اور اس کے بعد کی آیتوں کے مضمون کے مطابق اس کا مفہوم یہ ہے کہ ہدایت خدا ہی سے ملتی ہے اور پیغمبر اکرمؐ صرف وسیلۂ ہدایت ہیں۔ یعنی وہ کسی

---

[1] سورۂ نور۔ آیت ۵۴

شخص کو ہدایت کا پیغام دینے کے ذمہ دار ہیں اور اس کو ہدایت یافتہ بنانے کے ذمہ دار نہیں ہیں جیسا کہ مندرجہ ذیل آیات سے یہ بات پوری طرح سے روشن ہو رہی ہے:

پس مجھے تو یہی حکم ملا ہے کہ میں اس خدا کی پرستش کروں جس نے اس شہر (مکہ) کو عزت و حرمت دی اور ہر چیز اسی کی ہے۔ مجھے یہ حکم بھی دیا گیا ہے کہ میں مسلمانوں میں سے ہو رہوں اور قرآن پڑھا کروں۔ پھر جو شخص راہِ ہدایت پر آیا تو وہ خود اپنے نفع کے لیے ہدایت پر آیا اور اگر کوئی گمراہ ہوا تو تم کہہ دو کہ میں تو بس ایک ڈرانے والا ہوں"۔ [1]

اسی ذیل میں یہ بھی ہے کہ شیطان گنہگاروں کے اعمال ان کو سجا سجا کر دکھاتا ہے:

اگرچہ شیطان انہیں جہنم کے عذاب کی طرف بلاتا رہا ہو۔ [2]

شیطان نے ان کے اعمال ان کو سجا سجا کر دکھائے اور اس کے بعد خدا کا راستہ ان پر بند کر دیا۔ [3]

شیطان نے ان پر قابو پا لیا ہے اور خدا کی یاد ان کے دلوں سے بھلا دی ہے۔ [4]

---

[1] سورۂ نمل۔ آیت ۹۱-۹۲

[2] سورۂ لقمان۔ آیت ۲۱

[3] سورۂ نمل۔ آیت ۲۴، سورۂ عنکبوت۔ آیت ۳۸

[4] سورۂ مجادلہ۔ آیت ۱۹

بے شک جو لوگ راہِ ہدایت واضح ہونے کے بعد بھی اس سے پھر گئے ـــ شیطان ان کے کام انہیں خوب صورت کر کے دکھاتا ہے اور انہیں لمبی چوڑی آرزوؤں سے فریب دیتا ہے۔ [1]

علاوہ ازیں عقیلی، ابن عدی، ابن مردویہ، دیلمی، ابن عساکر اور ابن نجار نے عمر بن خطاب کا یہ قول نقل کیا ہے کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا: مجھے مبلغ اور داعی کی حیثیت سے مبعوث کیا گیا ہے۔ راہ ہدایت پر لانا میرے اختیار میں نہیں ہے۔ اسی طرح ابلیس بھی (برے) اعمال کو سجا کر دکھانے والے کی حیثیت رکھتا ہے، گمراہ کرنا اس کے اختیار میں نہیں ہے"۔ [2]

پس سورہ قصص کی زیر بحث آیت ۵۶ بھی قرآن کی ان دیگر آیات کی طرح ہے جو ہدایت اور گمراہی کو خدائے تعالیٰ کے ارادے سے نسبت دیتی ہیں ـــ مثلاً:

۱ـــ اے پیغمبرؐ! ان کو راہ ہدایت پر لانا تمہاری ذمہ داری نہیں لیکن خدا جسے چاہے راہ ہدایت پر لے آئے۔ [3]

۲ـــ (اے رسولؐ!) اگر تم ان کی ہدایت کے خواہشمند ہو تو بھی خدا جسے گمراہی میں چھوڑ دے اسے ہدایت نہیں کرے گا۔ [4]

---

[1] سورۂ محمدؐ۔ آیت ۲۵

[2] مجمع الزوائد ہیثمی + جامع الصغیر سیوطی

[3] سورۂ بقرہ۔ آیت ۲۷۲ [4] سورۂ نحل۔ آیت ۳۷

۳۔۔ (اے رسولؐ!) کیا تم بہرے کو (قرآن) سنا سکتے ہو یا اندھے کو اور اس شخص کو جو کھلی گمراہی میں پڑا ہو۔۔۔ راستہ دکھا سکتے ہو؟ ۱؎

۴۔۔ (اے رسولؐ!) تم (دل کے) اندھوں کو ان کی گمراہی سے (نکال کر) سیدھے راستے پر نہیں لا سکتے۔ ۲؎

۵۔۔ (اے مسلمانو!) کیا تم اس (منافق) کو راہ راست پر لانا چاہتے ہو کہ جسے خدا نے گمراہ کر دیا ہے؟ ۳؎

۶۔۔ (اے رسولؐ!) کیا تم (دل کے) اندھوں کو راستہ دکھا سکتے ہو جبکہ وہ نہیں دیکھتے؟ ۴؎

۷۔۔ جسے خدا ہدایت کرے وہی ہدایت یافتہ ہے اور جس کو وہ گمراہ کرے تو پھر تم اس کا کوئی سرپرست رہنما ہرگز نہ پاؤ گے۔ ۵؎

۸۔۔ بے شک خدا جسے چاہے گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے اور جو شخص توبہ کرے اس کو ہدایت فرماتا ہے۔ ۶؎

۱؎ سورۂ زخرف۔ آیت ۴۰ ۲؎ سورہ نمل۔ آیت ۸۱

۳؎ سورۂ نساء۔ آیت ۸۸

۴؎ سورۂ یونس۔ آیت ۴۳

۵؎ سورۂ کہف۔ آیت ۱۷

۶؎ سورۂ رعد۔ آیت ۲۷

۹۔۔ پس خدا جسے چاہتا ہے گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے اسے ہدایت کرتا ہے اور وہ عزت والا حکمت والا ہے۔ ۱؎

۱۰۔۔ لیکن خدا تو جسے چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے۔ ۲؎

ان کے علاوہ اور بھی بہت سی آیات ہیں جو سب کی سب انسانوں کی ہدایت اور گمراہی کو خدائے تعالیٰ سے اس طرح نسبت دیتی ہیں کہ وہ ان کے اختیار کے منافی نہیں ہے۔

اسی بنا پر مندرجہ ذیل آیات میں بھی دو چیزیں (ہدایت اور گمراہی) خدائے تعالیٰ کی مشیت کے تحت ہی ہیں ۔۔۔ جن میں ان کو انسانوں سے نسبت دی گئی ہے:

۱۔۔ جو شخص راہِ ہدایت پر آیا ہے وہ اپنے ہی لیے راہِ ہدایت پر آیا ہے اور جو شخص گمراہ ہو جائے وہ اپنے آپ کو ہی نقصان پہنچاتا ہے۔ ۳؎

۲۔۔ تم کہہ دو کہ جب سچی بات تمہارے پروردگار کی طرف سے نازل ہو چکی تو اب جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر اختیار کرے۔ ۴؎

۱؎ سورۂ ابراہیمؑ۔ آیت ۴ ۲؎ سورۂ نحل۔ آیت ۹۳

۳؎ سورۂ یونس۔ آیت ۱۰۸ + سورۂ زمر آیت ۴۱ ۴؎ سورۂ کہف۔ آیت ۲۹

۳۔ قرآن تو دنیا کے تمام لوگوں کے لیے بس ایک نصیحت ہے، مگر یہ تم میں سے اسی کے لیے (نصیحت) ہے جو سیدھے راستے پر چلے۔ [1]

۴۔ جو راہِ ہدایت پر آیا تو وہ اپنے فائدے کے لیے آیا اور جو گمراہ ہوا اس نے اپنے آپ کو ہی بگاڑا۔ [2]

۵۔ جو شخص راہِ ہدایت پر آیا تو وہ اپنے فائدے کے لیے آیا اور جو گمراہ ہوا (وہ جانے) پس اے پیغمبرؐ! کہہ دو کہ میں تو بس ایک ڈرانے والا ہوں۔ [3]

۶۔ یہی (کافر) ہیں جنھوں نے ہدایت کے عوض گمراہی خریدی اور اس سودے میں انھوں نے کوئی نفع نہیں کمایا۔ [4]

۷۔ ایک گروہ نے ہدایت پائی اور ایک گروہ پر گمراہی سوار ہوگئی۔ [5]

۸۔ (اے رسولؐ!) کہہ دو کہ جس نے ہدایت پائی اور جو صریحاً گمراہی میں پڑا رہا اس سے میرا پروردگار بخوبی واقف ہے [6]

---

[1] سورۂ تکویر۔ آیت ۲۸ [2] سورۂ بنی اسرائیل۔ آیت ۱۵
[3] سورۂ نمل۔ آیت ۹۲ [4] سورۂ بقرہ۔ آیت ۱۶
[5] سورۂ اعراف۔ آیت ۳۰
[6] سورۂ قصص۔ آیت ۸۵

۹۔ اگر تم نیکی کروگے تو وہ اپنے فائدے کے لیے اور اگر تم بدی کروگے تو بھی اپنے ہی لیے کروگے۔ [1]

۱۰۔ پس اگر وہ ایمان لائے ہیں تو پھر انہوں نے ہدایت پائی ہے اور اگر وہ منہ پھیر لیں تو (اے رسولؐ) تمہارا فرض صرف پیغام پہنچا دینا ہے۔ [2]

ان کے علاوہ اور بھی بہت سی آیات ہیں جو اس موضوع سے تعلق رکھتی ہیں۔

اس دلیل کی بنا پر جس کا ہم نے پہلے ذکر کیا ہے اور اس دلیل کی بنا پر جو ایک موقع پر فعل خدائے تعالے سے نسبت دینے اور دوسرے موقع پر عامل ہدایت (پیغمبرؐ، مختار (عام انسان) سے نسبت دینے کی صحت کے بارے میں ہے، ان دونوں مطالب میں کوئی تناقض موجود نہیں ہے۔

سورۂ قصص کی زیرِ بحث آیت (۵۶) اپنے سے پہلی آیات کے زمرے میں ہے اور سیاق مطالب کے لحاظ سے یہ مومنوں کے ذکر سے مربوط آیات کے بعد آئی ہے۔ لیکن پہلی آیات میں جس مفہوم کا ارادہ کیا گیا ہے، اسے ثابت کرنے اور یہ بتانے کے لیے کہ جن ہدایت یافتہ لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے، ان کی ہدایت خدائے تعالیٰ سے منسوب ہے اور اس بنا پر ان کی سرشت اور فطرت الگ ہے۔ لہٰذا اس آیت کا

---

[1] سورۂ بنی اسرائیل۔ آیت ۷ [2] سورۂ آل عمران۔ آیت ۲۰

ابوطالبؑ سمیت کسی بھی عام انسان کے ساتھ کوئی خاص ارتباط نہیں ہے پس اس آیت کو اس سے پہلی آیت کے ساتھ ملا کر دیکھا جائے تو اس میں سے ابوطالبؑ کے ایمان کے بارے میں ایک واضح ثبوت ہاتھ آجائے گا لہٰذا مناسب یہ ہے کہ اس آیت کی تفسیر اس کے بارے میں ان غیر معقول اور بے کار اقوال کی جانب توجہ دیے بغیر کی جائے جو اس سے پیشتر نقل کیے گئے ہیں یا بعد میں نقل کیے جائیں گے۔

اس آیت کے بارے میں دوسری مورد بحث بات یہ ہے کہ اس سے پہلی اور بعد کی آیات کے مطالب کے ساتھ رابطے کے بغیر فقط اس آیت کے متعلق کی جانے والی سبھی روایات مرسل ہیں، مثلاً وہ روایت جو عبد بن حمید، مسلم اور ترمذی وغیرہ نے ابوہریرہ سے نقل کی ہے کہ اس نے کہا:

جب ابوطالبؑ کی وفات کا وقت آپہنچا تو رسول اکرمؐ نے انھیں مخاطب کر کے فرمایا: "اے چچا! کہیے لا الٰہ الا اللہ تاکہ میں قیامت کے دن اس کلمہ کے ذریعے خدائے تعالیٰ کی بارگاہ میں آپ کے فائدے کے لیے شہادت دے سکوں۔ ابوطالبؑ نے کہا: اگر قریش مجھے ملامت نہ کریں اور یہ نہ کہیں کہ اس (ابوطالبؑ) کو موت کے علاوہ کسی چیز نے اس کام پر آمادہ نہیں کیا تو میں یقیناً یہ کلمہ ـــ لا الٰہ الا اللہ ـــ کہہ کر تمہاری آنکھیں روشن کر دیتا ہوں۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی:

اے پیغمبرؐ! تم جسے چاہو راہ ہدایت پر نہیں لا سکتے..... [1]

---

[1] تفسیر در منثور۔ جلد ۵ صفحہ ۱۳۳

ابوہریرہ ایسی روایت کیسے کر سکتا ہے جبکہ ابوطالبؑ کی وفات کے وقت وہ خود یمن میں قبیلہ دوس کے کافر بھکاریوں میں سے تھا جو سر سے پاؤں تک بدبختی میں ڈوبا ہوا تھا ـــ اور لوگوں کے دامن تھام تھام کر آہ و زاری کے ساتھ بھیک مانگتا تھا۔ پھر اس بات پر سبھی متفق ہیں کہ ابوہریرہ نے ہجرت کے ساتویں سال (جنگ خیبر کے زمانے میں) اسلام قبول کیا۔ پس ابوطالبؑ کی وفات کے وقت وہ مکہ میں تھا کہاں؟ اور اس روایت کے ساتھ اس کا واسطہ ہی کیا ہے؟ اگر اس نے اپنی روایت میں سچ بھی کہا ہو تو پھر ضرور اس نے یہ روایت کسی شخص سے نقل کی ہے کہ جس کا نام اس نے نہیں بتایا۔ ابوہریرہ نے عجوبہ گوئی اور فریب کاری سے بہت کام لیا اور بہت سی ایسی باتیں روایت کی ہیں جن کے متعلق اس کا دعویٰ ہے کہ جب وہ بات کہی گئی وہ موجود تھا اور اس کا شاہد ہے ـــ حالانکہ اس نے ایسی کسی چیز کا مشاہدہ نہیں کیا۔ اگر کوئی شخص ابوہریرہ کی ایسی جھوٹی روایات سے مطلع ہونا چاہے تو اسے سید عبدالحسین شرف الدین عاملی کی تالیف "ابوہریرہ" سے رجوع کرنا چاہیے۔

اسی طرح کی دیگر روایات میں سے ایک وہ ہے جسے ابن مردویہ اور دوسرے راویوں نے ابوسہل سری کے طریق سے، اس نے عبدالقدوس کی سند سے، اس نے ابوصالح سے اور اس نے ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ اس نے کہا:

سورۂ قصص کی آیت ۵۶: "اے پیغمبرؐ! تم جسے چاہو راہ ہدایت پر نہیں لا سکتے... ابوطالبؑ کے بارے میں نازل ہوئی ہے رسول اکرمؐ

نے ابوطالبؑ سے اصرار کیا کہ وہ اسلام قبول کر لیں۔ جب ابوطالبؑ نے اس سے انکار کیا تو خدائے تعالیٰ نے مذکورہ آیت نازل فرمائی۔[1]

اس حدیث کا راوی ابوسہل سری ــــ جھوٹے حدیث سازوں میں سے ہے جو احادیث کی روایت میں چوری بھی کیا کرتا تھا۔[2] نیز اس کے دوسرے راوی ــــ عبدالقدوس ابوسعید دمشقی ــــ کا شمار بھی جھوٹے راویوں میں ہوتا ہے۔[3]

اس روایت کا ظاہر بھی سابقہ روایت کی طرح راوی کے اس واقعہ کا عینی شاہد ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ حالانکہ ابن عباس رسول اکرمؐ کی ہجرت سے تین سال قبل پیدا ہوئے۔ بنابریں ابوطالبؑ کی وفات کے وقت وہ شیر خوار بچے تھے، لہٰذا اس واقعہ کے شاہد نہیں ہو سکتے۔[4]

بالفرض یہ روایت درست بھی ہو تو یہ معلوم نہیں کہ ابن عباس نے کہاں اور کس طرح اپنے یہ الفاظ کسی ایسے شخص سے منسوب کیے ــــ جسے ہم نہیں جانتے۔ پھر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بدطینت راویوں نے اس شخص کا نام اس کی حیثیت کمزور ہونے کی بنا پر حذف کر دیا ہو، جیسے کہ بہت سے مؤلفین نے ابوسہل سری اور عبدالقدوس وغیرہ کو ایسی جھوٹی روایتوں میں سے ان کے جھوٹ پر پردہ ڈالنے کی خاطر حذف کر دیا ہے:

---

[1] تفسیر درمنثور جلد ۵ صفحہ ۱۳۳ [2] الغدیر جلد ۵ صفحہ ۲۳۱

[3] الغدیر جلد ۵ صفحہ ۲۳۸

[4] اصابہ جلد ۲ صفحہ ۳۳۱

خلاصہ کلام یہ ہے کہ حبرالامت ــــ ابن عباس نے اپنی زبان ایسی غلط باتوں سے ہرگز آلودہ نہیں کی ہے۔ اگر وہ ابوطالبؑ کی وفات کی کیفیت کے بارے میں کسی سے کچھ نقل کرنا چاہتے بھی تو ان کے لیے مناسب یہ تھا کہ وہ وہی بات نقل کرتے جو ان کے والد نے کہی کہ میں نے سنا: ابوطالبؑ اپنی وفات کے وقت شہادتین کا ذکر اپنی زبان پر لائے۔[1] بلکہ اس سے بھی زیادہ مناسب یہ تھا کہ ابن عباس اس بارے میں اپنے طاہر چچازاد بھائی رسول اکرمؐ کا ارشاد[2] یا اپنے پاک چچازاد بھائی امام علیؑ کا قول روایت کرتے۔[3]

ابن عباس نے یہ روایت نہیں کی اور وہ کیونکر یہ بات کہہ سکتے تھے؟ کیا ابن عباس ہی ابوطالبؑ کے اس قول کے راوی نہیں ہیں کہ انھوں نے رسول اکرمؐ کو مخاطب کر کے کہا: اے میرے سردار! اٹھیے اور جو کچھ کہنا آپ پسند کرتے ہیں وہ کہیے۔ نیز اپنے پروردگار کا پیغام دوسروں تک پہنچائیے ــــ کیونکہ آپ سچے ہیں اور سچے قرار دیے گئے ہیں۔[4]

دیگر روایات میں سے ایک وہ ہے جو مذکورہ بالا ابوسہل سری (دروغ گو) نے عبدالقدوس (کذاب) کے طریق سے، اس نے نافع سے اور اس نے ابن عمر سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا:

---

[1] دیکھیے اس کتاب کا صفحہ ۱۱۱ سطر ۴

[2] دیکھیے اس کتاب کا صفحہ ۱۱۲ سطر ۵ [3] دیکھیے اس کتاب کا صفحہ ۱۱۱ سطر ۹ [4] دیکھیے اس کتاب کا صفحہ ۷۷ سطر ۹

اے پیغمبرؐ! تم جسے چاہو راہِ ہدایت پر نہیں لا سکتے ....

سورۂ قصص کی یہ آیت (۵۶) ابوطالبؑ کے متعلق ان کی وفات کے وقت نازل ہوئی۔ رسول اکرمؐ اس وقت ابوطالبؑ کے سرہانے موجود تھے اور کہہ رہے تھے: اے چچا! کہو لا الٰہ الا اللہ تاکہ میں قیامت کے دن اس کے بدلے میں تمہاری شفاعت کرسکوں۔

ابوطالبؑ نے کہا: میری وفات کے بعد قریش کی عورتیں مجھے ملامت کریں گی کہ میں نے موت کے ڈر سے ایسا کیا اور پھر یہ آیت نازل ہوئی۔[1]

شاید ابن عمر نے اپنی روایت میں خود اس مجلس میں موجود ہونے کا دعویٰ نہ کیا ہو اور انہیں یہ دعویٰ کرنا بھی نہیں چاہیے۔ کیونکہ ان کی پیدائش رسول اکرمؐ کی بعثت سے تقریباً تین سال بعد ہوئی اور اس وقت وہ سات سال کے تھے۔ اس بنا پر وہ موقع پر اپنی موجودگی کا دعویٰ نہیں کرسکتے اور فطری طور پر ابن عمر کا شخص ایسی مجلس میں حاضر نہیں ہوسکتا۔[2] لہٰذا یہ ضروری ہے کہ ابن عمر نے اس بارے میں کسی ایسے شخص سے سنا ہو جو اس مجلس میں موجود تھا۔ پھر ایسا شخص فوت ہونے والے کے فرزند یعنی امیرالمومنین علیہ السلام کے علاوہ اور کوئی نہیں ہوسکتا اور جو کچھ ان سے نقل کیا گیا ہے وہ وہی ہے جو پاکیزہ کلمات کے باب میں بیان ہوچکا ہے۔ ان کے علاوہ ایسا شخص ابوطالبؑ کا کوئی اور بیٹا یعنی طالب، جعفر یا عقیل

۱۔ تفسیر در منثور جلد ۵ صفحہ ۱۳۳

۲۔ اصابہ جلد ۲ صفحہ ۳۳۷

بھی ہوسکتا ہے، جبکہ اس بارے میں ان میں سے کسی کا کوئی قول نقل نہیں کیا گیا۔ اسی طرح اس موقع پر حاضر وہ شخص ابوطالبؑ کے بھائی یعنی عباس بھی ہوسکتے ہیں جن کا قول ہم پیشتر نقل کرچکے ہیں۔ ان سب سے بڑھ کر ابوطالبؑ کے بھتیجے یعنی رسول اکرمؐ ہیں اور اس بارے میں ان کے ارشادات ہم پہلے پڑھ چکے ہیں۔ پس ان سب عینی شاہدوں کے علاوہ ابن عمر نے یہ بات کس سے سنی اور اس کا نام کیوں حذف کردیا گیا ہے؟ وہ اپنی دو روایات میں سے ایک میں ابوجہل کو ابوطالبؑ کے ساتھ کیوں شریک کرتے ہیں، جبکہ کسی دوسرے نے ایسا نہیں کہا۔ کیا راویوں کے درمیان کوئی ایسا شخص موجود ہے جس نے یہ جھوٹ موٹ کی روایت ان کے سر تھوپ دی؟ بس حسن ظن رکھیں اور اس سے زیادہ کچھ نہ پوچھیں۔

اس بیان پر یہ اضافہ کرلیجیے جو زیر بحث آیت کی شانِ نزول کے متعلق مجاہد اور قتادہ سے مروی ہے۔[1] اگر ان دونوں کی روایات مستند ہیں تو پھر یہ روایات جو ہم نے نقل کی ہیں ـــــ ان کا کیا بنے گا؟ یا یہ کہ انھوں نے بھی یہ بات نامعلوم اشخاص سے سنی ہے؟ الحاصل کہ ایسی مرسل احادیث کو کسی طرح سے بھی ابوطالبؑ کی تکفیر جیسے اہم معاملے میں دلیل نہیں بنایا جاسکتا ـــــ جبکہ خود رسول اکرمؐ، امام علیؑ اور دوسری بزرگوار ہستیوں کی زبانی ان کا ایمان ثابت ہوچکا ہو اور انہوں نے رسول اکرمؐ کی خاطر بے پناہ قربانیاں دی ہوں اور قاطع دلائل کے

۱۔ تاریخ ابن کثیر جلد ۲ صفحہ ۱۲۳

ساتھ ان کا دفاع کیا ہو۔

سورۂ قصص کی مذکورہ آیت (۵۶) کو ابو طالبؑ اور عباسؓ کے درمیان تقسیم کرنے یعنی اس کے پہلے حصے کو ابو طالبؑ کے متعلق اور دوسرے حصے کو عباسؓ کے بارے میں قرار دینا تفسیر بالرائے ہے جو صرف قتادہ کی ایک روایت پر مبنی ہے جسے بعض لوگوں نے حدیث مرسل کے طور پر بیان کیا اور اس کی کچھ حیثیت نہیں ہے کیونکہ اس پر سبھی کا اتفاق ہے کہ عباسؓ ـــــ ابو طالبؑ کی وفات پر اس آیت کے نزول سے کئی سال بعد اسلام میں داخل ہوئے تھے۔[1]

اس تمام گفتگو کے بعد آپ زجاج کے اس قول کی قیمت سمجھ جائیں گے جو کہتا ہے: مسلمان اس آیت (زیر بحث) کے بارے میں اتفاق نظر رکھتے ہیں کہ یہ ابو طالبؑ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ نیز اسی طرح قرطبی بھی اسی بات کا قائل ہے۔ جیسا کہ وہ کہتا ہے:

ہم یہ کہیں تو بہتر ہو گا کہ ممتاز مفسرین اس بات پر متفق ہیں کہ یہ آیت ابو طالبؑ کے بارے میں نازل ہوئی ہے![2]

دیکھو کہ وہ خدا پر کس کس طرح کی جھوٹی تہمت باندھتے ہیں اور یہی فعل کھلا ہوا گناہ ہے۔[3]

---

۱ تفسیر قرطبی جلد ۱۳ صفحہ ۲۹۹ + تفسیر درمنثور جلد ۵ صفحہ ۱۳۳

۲ تفسیر قرطبی جلد ۱۳ صفحہ ۲۹۹ ۳ سورۂ نساء۔ آیت ۵

نقل حدیث میں غلط بیانی

حدیثِ ضحضاح

ابو طالبؑ کے مخالفین کے ترکش میں اعتراضات کے جتنے بھی تیر تھے، یہاں تک پہنچتے پہنچتے وہ سب ختم ہو چکے ہیں۔ ہم نے شیخ بطحا پر الزام و اعتراض کے ان سب تیروں کا زور دار جواب دے کر انہیں خاک اور دھول کی طرح اڑا دیا ہے۔ اب صرف حدیث ضحضاح ہی رہ گئی ہے جس کے بارے میں ابو طالبؑ کے دشمنوں نے بہت واویلا مچا رکھا ہے اور ہم خدائے تعالیٰ کی مدد سے اس کا بھی ٹھیک ٹھیک جواب دیں گے۔

بخاری اور مسلم نے سفیان ثوری کے طریق سے، اس نے عبد الملک بن عمیر سے اور اس نے عبد اللہ بن حارث سے نقل کیا ہے کہ اس نے کہا:

میں نے رسول اکرمؐ سے عرض کیا: یا رسول اللہؐ! آپ کے چچا ابو طالبؑ جو آپ کی حمایت کرتے اور آپ کے دشمنوں پر غصہ کرتے تھے ـــــ آپ نے ان کا حق کیسے ادا کیا؟ آپ نے جواب میں فرمایا:

وہ (ابوطالبؑ) جہنّم کے ایک گڑھے میں ہیں اور اگر میں نہ ہوتا تو وہ اس کے سب سے گہرے کنوئیں میں ہوتے۔

ایک اور روایت میں اس نے کہا:

میں نے رسول اکرمؐ سے عرض کیا: یا رسول اللہؐ! ابوطالبؑ نے آپ کی حفاظت اور مدد کی تھی — کیا انھیں ان کوششوں کا کوئی فائدہ پہنچا؟

آنحضرتؐ نے فرمایا: "ہاں! میں نے ابوطالبؑ کو جہنّم کے شعلوں میں پایا تو انہیں وہاں سے نکال کر ایک گڑھے میں ڈال دیا۔"

لیث کہتا ہے کہ یزید بن ہاد نے عبداللہ ابن خباب سے اور اس نے ابوسعید سے روایت کی ہے کہ اس نے رسول اکرمؐ سے سنا:

امید ہے کہ قیامت کے دن میری شفاعت ابوطالبؑ کے لیے سودمند ثابت ہوگی۔ تب انہیں تیز شعلوں سے نکال کر جہنم کے ایک گڑھے میں ڈال دیا جائے گا۔ جس کی آگ ان کے پاؤں کے ٹخنوں تک ہوگی۔ پھر بھی اس کی تپش سے ان کا مغز سر ابل پڑے گا۔

بخاری نے یزید بن ہاد سے عبدالعزیز بن محمد داراوردی کے طریق سے یہ روایت انہی الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے لیکن صرف اتنا فرق ہے کہ اس گڑھے کی آگ کی تپش سے ابوطالبؑ کا سارا مغز نہیں اسکا نیچے کا حصہ جوش کھاتا ہے۔[1]

[1] صحیح بخاری جلد۵ صفحہ ۳۳، ۳۴۔ ابواب المناقب قصہ ابوطالب۔ جلد۹ صفحہ ۹۲ کتاب الادب باب کنیۃ المشرک + صحیح مسلم۔ کتاب الایمان + طبقات ابن سعد جلد۱ صفحہ ۱۰۶ (مصر) + مسند احمد حنبل جلد۱ صفحہ ۲۰۶، ۲۰۷ + عیون الاثر جلد۱ صفحہ ۱۳۲ + تاریخ ابن کثیر جلد۳ صفحہ ۱۲۵

علامہ امینی کہتے ہیں:

ہم یہ پسند نہیں کرتے کہ سفیان ثوری کے بارے میں بحث کریں۔ کیونکہ پہلی آیت کے ذیل میں ہم اس کے متعلق لکھ آئے ہیں کہ وہ بے اعتبار راویوں کی روایات اور مفتری افراد کے اقوال نقل کرتا تھا۔[1]

اسی طرح ہم عبدالملک بن عمیر لخمی کوفی کے بارے میں بھی کوئی معارضہ نہیں کریں گے جو بڑی عمر اور رکم زور حافظے کا آدمی تھا۔ اس کے بارے میں محدثین کی آراء یہ ہیں:

- ابوحاتم نے کہا: وہ علم حدیث کا ماہر نہیں ہے۔ اسکا حافظہ بھی خراب تھا۔
- احمد حنبل نے کہا: وہ بہت بوڑھا اور غلطیاں کرنیوالا تھا۔
- ابن معین نے کہا: وہ روایات کو خلط ملط کر دیتا ہے۔
- ابن خراش نے کہا: شعبہ اس سے خوش نہ تھا۔
- کوسبج نے کہا: احمد حنبل — عبدالملک کو قطعی طور پر بے اعتبار سمجھتا تھا۔[2]

ہم اس روایت کے تیسرے راوی عبدالعزیز داراوردی کے بارے میں کوئی بات نہیں کہتے اور محدثین کی آراء پیش کیے دیتے ہیں:

- احمد حنبل نے کہا: اگر وہ اپنی حفظ کی ہوئی حدیث بیان کرے تو کوئی خطرے کی بات نہیں، اگر وہ کسی کتاب سے کوئی روایت نقل

[1] میزان الاعتدال جلد۱ صفحہ ۳۹۶

[2] میزان الاعتدال جلد۲ صفحہ ۱۲۸

کرے تو بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے لیکن جب وہ خود کسی سے روایت کرتا ہے تو غلط باتیں کہتا ہے۔

○ ابو حاتم نے کہا: اس (عبدالعزیز داراوردی) کی روایت کو حجت اور دلیل قرار نہیں دیا جا سکتا۔

○ ابوزرعہ کہتا ہے: اس کا حافظہ خراب تھا۔[1]

یہاں تک راویوں کی بات کہ ہم نے اپنی طرف سے ان پر کوئی تنقید نہیں کی ہے۔ اسی طرح ہم ان روایات کے مضامین کے تناقض کی طرف بھی اشارہ نہیں کرتے کہ ایک جگہ لفظ "امید" کہا گیا اور اس سے یہ توقع پیدا ہوتی ہے کہ رسول اکرمؐ کی شفاعت سے ابو طالبؑ کا عذاب قیامت تک کے لیے ٹل گیا ہے۔ اس کے بعد یہ "امید" بھی ہو سکتی ہے کہ اسی شفاعت کی بنا پر ان کا عذاب کم ہو کر "ضحضاح" یعنی جہنم کے گڑھے کے درجے پر آ جائے گا۔ جبکہ ایک اور جگہ پر کہا گیا ہے کہ رسول اکرمؐ نے ابو طالبؑ کو آگ کے شعلوں میں پایا اور آپ اپنی شفاعت کے ذریعے انہیں جہنم کے ایک گڑھے میں لے آئے۔

ہم مناسب نہیں سمجھتے کہ راویوں کی بے اعتباری کے جھمیلوں کو پیش کریں یا روایتوں کے ان تناقضات کو اپنا موضوع بنائیں۔ اس کی بجائے ہم یہاں ایک ہی بات کہتے ہیں اور وہ یہ کہ ابو طالبؑ کی وفات کے وقت رسول اکرمؐ نے ان کے لیے اپنی شفاعت کو کلمہ شہادت

[1] میزان الاعتدال جلد ۲۔ صفحہ ۱۲۸

(لا الہ الا اللہ) پڑھنے سے مشروط کرتے ہوئے فرمایا تھا:

"اے چچا! لا الہ الا اللہ کہیے کیونکہ یہ وہ کلمہ ہے جس کے ذریعے میں آپ کی قیامت کے دن شفاعت کروں گا۔"[1]

یہ وہی صورت ہے جیسا کہ آپ نے شفاعت کو کلی طور پر کلمہ شہادت کے پڑھنے سے وابستہ کر دیا تھا۔ اس بارے میں بہت سی احادیث آئی ہیں اور ان میں سے چند ایک یہ ہیں:

۱۔ عبداللہ بن عمر کی روایت

عبداللہ بن عمر سے مرفوعاً روایت ہوئی ہے کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا: (خدا کی جانب سے) مجھے کہا گیا کہ سوال کرو اور دعا مانگو ـــــ کیونکہ ہر پیغمبر نے اسی طرح سوال کیا اور دعا مانگی ہے۔ تاہم میں نے اپنی اس دعا کو قیامت کے دن تک تاخیر میں ڈال دیا۔ وہ دعا یہ ہے کہ تم میں سے جو کوئی خدائے تعالیٰ کی وحدانیت کی شہادت دے میں اس کی شفاعت کروں گا۔

یہ حدیث احمد حنبل نے بھی صحیح اسناد کے ساتھ روایت کی ہے۔

[1] حاکم: مستدرک جلد ۲ صفحہ ۳۳۶ + تاریخ ابوالفدار جلد ۱ صفحہ ۱۲۰ + مواہب لدنیہ جلد ۱ صفحہ ۷۱ + کشف الغمہ جلد ۲ صفحہ ۱۴۴ + کنز العمال جلد ۷ صفحہ ۱۲۸ + شرح مواہب جلد ۱ صفحہ ۲۹۱

۲۔ ابوذر غفاری کی روایت

ابوذر غفاری سے مرفوعاً روایت ہوئی ہے کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا: مجھے شفاعت کا حق اور اس کی اہلیت عطا ہوئی ہے۔ یہ شفاعت میری امت کے ہر شخص کے لیے ہوگی جو خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے۔

بزار نے بھی یہ حدیث بہترین اسناد کے ساتھ روایت کی جس کے سلسلے میں کہیں انقطاع موجود نہیں ہے۔

۳۔ عوف بن مالک اشجعی کی روایت

عوف بن مالک اشجعی سے روایت ہے کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا: میری شفاعت ہر مسلمان کے لیے ہے۔ وہ مزید کہتا ہے کہ طبری نے یہ حدیث مختلف سلسلوں کے ساتھ نقل کی اور ان میں سے ایک معتبر ہے۔ نیز ابن حبان نے بھی اپنی صحیح میں یہ روایت کی ہے: شفاعت اس شخص کے لیے ہے جو اس حالت میں مرے کہ اس نے کسی کو خدا کا شریک نہ ٹھہرایا ہو۔

۴۔ انس کی روایت

انس نے بیان کیا ہے کہ خدائے تعالیٰ نے جبرئیل کو حکم دیا کہ تم محمد رسول اللہؐ کے پاس جاؤ اور ان سے کہو: اپنا سر آسمان کی طرف بلند کرکے دعا کیجیے تاکہ آپ کو عطا کیا جائے اور شفاعت کیجیے تاکہ آپ کی شفاعت قبول کی جائے ــــ یہاں تک کہ رسول اکرمؐ سے کہا گیا:

تمہاری امت میں سے جس نے ایک دن بھی خلوص دل سے لا الٰہ الا اللہ کہا اور پھر مر گیا ــــ پس اس کو بہشت میں داخل کردوں گا۔

منذری کہتا ہے: احمد حنبل نے یہ روایت نقل کی ہے اور اپنی کتاب میں اس کے راویوں پر اعتماد اور اعتبار کا اظہار کیا ہے۔

۵۔ ابوہریرہ کی روایت

ابوہریرہ سے مرفوعاً نقل کیا گیا ہے کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا: میری شفاعت اس شخص کے لیے ہے جو خالص نیت کے ساتھ لا الٰہ الا اللہ محمداً رسول اللہ ــــ کی شہادت دے۔ جبکہ اس کا دل اس کی زبان کی اور اس کی زبان اس کے دل کی تصدیق کرے۔

اس روایت کو احمد حنبل اور ابن حبان نے بھی اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے۔ لہ

دو روایتیں

گزشتہ صفحات میں ابوہریرہ اور ابن عباس سے دو روایتیں نقل کی گئی ہیں، جن میں کہا گیا ہے کہ رسول اکرمؐ نے خدائے تعالیٰ سے اپنی ماں کے لیے دعائے مغفرت کرنے اور قیامت کے دن ان کی شفاعت کرنے

لہ یہ پانچوں روایات منذری کی کتاب ــــ ترغیب و ترہیب جلد ۴ صفحہ ۱۵۰ تا ۱۵۸ سے ماخوذ ہیں۔

کی اجازت مانگی —— لیکن پروردگار نے یہ اجازت عطا نہیں فرمائی۔ [1]

سہیلی لکھتا ہے:

صحیح میں منقول ہے کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا: میں نے خدائے تعالیٰ سے اپنی ماں کے مزار کی زیارت کرنے کی اجازت مانگی اور اس نے مجھے یہ اجازت دے دی۔ اس کے علاوہ میں نے اس امر کی اجازت بھی مانگی کہ ان کے لیے مغفرت طلب کروں، لیکن خدا نے مجھے اس کی اجازت عطا نہیں فرمائی۔

مسند بزار میں بریدہ کی سند سے نقل کیا گیا ہے کہ جب رسول اکرمؐ نے اپنی والدہ کے لیے مغفرت طلب کرنا چاہی تو جبرئیل نے انکار کے طور پر آپ کے سینے پر ہاتھ مارا اور کہا: "آپ کسی ایسے انسان کے لیے استغفار نہ کریں جو مشرک رہا ہے۔" پس آنحضرتؐ غمگینی کی حالت میں واپس آ گئے۔ [2]

علامہ امینی کہتے ہیں:

پس اگر توحید کی شہادت نہ دینے کی صورت میں بنیادی طور پر شفاعت کالعدم ہو جاتی ہے یعنی کافر کے نااہل ہونے کی وجہ سے اصولی لحاظ سے اس کے لیے شفاعت محال ہے تو پھر عذاب میں کمی کے لیے

---

[1] دیکھیے اس کتاب کا صفحہ ۲۱۱ روایت ۳-۴

[2] روض الانف جلد ۱ صفحہ ۱۱۳ - تاہم یاد رہے کہ ہم کسی ایسی روایت کو چنداں قابل توجہ نہیں سمجھتے، اس کا ذکر ہم نے اس لیے کیا ہے کہ فریق ثانی اسے سینے سے لگائے ہوئے ہے۔

بھی شفاعت کالعدم ہو جائے گی۔ جیسا کہ قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیات میں اس کی نفی کی گئی ہے:

۱—— جن لوگوں نے کفر کیا ان کے لیے جہنم کی آگ ہے۔ جہاں نہ ان پر موت آئے گی کہ وہ مر جائیں اور نہ ان کے عذاب میں کوئی کمی کی جائے گی۔ یوں ہم ہر ناشکرے کافر کو سزا دیتے ہیں۔ [1]

۲—— جب ظالم لوگ عذاب کو دیکھ لیں گے تو پھر نہ ان کے عذاب میں کوئی تخفیف ہو گی اور نہ ہی وہ اس سے رہائی پائیں گے۔ [2]

۳—— کافر ہمیشہ لعنت میں گرفتار رہیں گے۔ نہ تو ان کے عذاب میں تخفیف کی جائے گی اور نہ ان کو اس سے مہلت دی جائے گی۔ [3]

۴—— جو لوگ دوزخ کی آگ میں ہوں گے وہ جہنم کے نگہبانوں سے کہیں گے کہ اپنے پروردگار سے دعا کرو کہ ہمارے عذاب کی مدت میں ایک ہی دن کی تخفیف کر دے۔ وہ کہیں گے کیا تمہارے پیغمبر واضح دلائل کے ساتھ تمہارے پاس نہیں آئے تھے؟ دوزخی جواب دیں گے ہاں آئے تھے۔ تب وہ نگہبان کہیں گے: پس تم خود ہی دعا کرو حالانکہ کافروں کی دعا تو بس بے کار ہی ہوتی ہے۔ [4]

---

[1] سورۂ فاطر- آیت ۳۶

[2] سورۂ نحل- آیت ۸۵

[3] سورۂ بقرہ- آیت ۱۶۲ + سورۂ آل عمران- آیت ۸۸

[4] سورۂ مومن- آیت ۴۹-۵۰

۵۔۔۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے آخرت کے بدلے دنیا کی زندگی خریدی۔ پس نہ ہی ان کے عذاب میں تخفیف کی جائے گی اور نہ ہی ان کی مدد کی جائے گی۔ [1]

۶۔۔۔ جنہوں نے اپنے دین کو کھیل تماشا بنا رکھا ہے اور دنیا کی زندگی نے انہیں فریفتہ کر رکھا ہے، ان کو چھوڑ دو اور بتا دو کہ اگر (تم میں سے) کوئی شخص اپنے کرتوتوں کی وجہ سے مصیبت میں مبتلا ہو گیا تو خدا کے علاوہ اس کا کوئی سرپرست اور سفارشی نہ ہو گا۔ پھر اگر وہ (اپنی سزا کے عوض) سارا جہان بھی دے تو وہ قبول نہ کیا جائے گا کیونکہ یہ وہی لوگ ہیں جو اپنے کرتوتوں کی وجہ سے تباہ ہوئے ہیں۔ انہیں پینے کے لیے کھولتا ہوا بدبودار پانی ملے گا اور ان کے کفر کی سزا کے طور پر دردناک عذاب ہو گا۔ [2]

۷۔۔۔ ہر شخص اپنے اعمال کے بدلے گرو ہے مگر داہنے ہاتھ (میں نامۂ اعمال لینے) والے (بہشت کے) باغوں میں سے گنہگاروں کو پوچھ رہے ہوں گے آخر تمہیں دوزخ میں کونسی چیز گھسیٹ لائی؟۔۔۔ انہیں سفارش کرنے والوں کی سفارش کچھ کام نہ آئے گی۔ [3]

۸۔۔۔ انہیں قیامت کے دن سے ڈراؤ جو عنقریب آنے والا ہے۔ جب

---

[1] سورۂ بقرہ۔ آیت ۸۶

[2] سورۂ انعام۔ آیت ۷۰

[3] سورۂ مدثر۔ آیت ۳۸ تا ۴۲ - ۴۸

لوگوں کے کلیجے (خوف کے مارے) گلے میں آ جائیں گے۔ اس دن ظالموں کا کوئی حمایت کرنے والا نہ ہو گا اور نہ کوئی سفارشی کہ جس کی سفارش قبول ہو جائے۔ [1]

۹۔۔۔ ہم مجرموں کے گروہ کو جہنم کی طرف ہانک دیں گے۔ وہ سفارش پر بھی قادر نہ ہوں گے۔ مگر جس شخص نے خدا کی بارگاہ سے (سفارش کا) وعدہ لے لیا ہو۔ [2]

جن لوگوں کی شفاعت ہو گی اس آیت میں انکو مستثنیٰ کیا گیا ہے۔ وعدہ سے مراد کلمہ لا الہ الا اللہ کی شہادت اور اس کے تحت عمل کرنا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مومنین کے علاوہ کسی کی شفاعت نہیں ہو گی۔ [3]

"حدیث ضحضاح" کی بنیاد اس بات پر ہے کہ (نعوذ باللہ) ابوطالبؑ شرک کی حالت میں فوت ہوئے ہیں۔ ہم نے اس حدیث پر جو تفصیل بحث کی ہے اس کے پیش نظر ان کے عذاب میں تخفیف ہونے اور ان کو آگ کے خوفناک شعلوں سے نکال کر ۔۔۔ جہنم کے ایک چھوٹے گڑھے (ضحضاح) میں پہنچانے کے لیے کوئی شفاعت قابل قبول نہیں ہے۔

---

[1] سورۂ مومن۔ آیت ۱۸

[2] سورۂ مریمؑ۔ آیت ۸۶-۸۷

[3] تفسیر قرطبی جلد ۱۱ صفحہ ۱۵۴ + تفسیر بیضاوی جلد ۲ صفحہ ۴۸ + تفسیر ابن کثیر جلد ۳ صفحہ ۱۳۸ + تفسیر خازن جلد ۳ صفحہ ۲۴۳

کیونکہ یہ حدیث ان تمام آیات اور روایات سے اختلاف کرتی ہے جن کا ہم نے ذکر کیا ہے۔ پس جو حدیث خدا کی کتاب اور رسول اکرمؐ کی محکم سنت کے خلاف ہو اسے دیوار پر دے مارنا چاہیے۔ جیسا کہ بخاری نے رسول اکرمؐ سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا: میرے بعد حدیثیں بہت ہوجائیں گی، اس لیے جب تمہارے سامنے کوئی حدیث روایت کی جائے تو اسے خدائے تعالیٰ کی کتاب سے ملا کر دیکھ لیا کرو۔ پھر اگر وہ خدا کی کتاب سے موافقت کرے تو اسے قبول کرلو اور اگر وہ اس کے خلاف ہو اسے رد کردو۔ [1]

پس یہ بات آپ کو دھوکے میں نہ ڈال دے کہ "حدیث ضحضاح" کو بخاری نے نقل کیا ہے۔ کیونکہ اسکی کتاب جس کا نام "صحیح" رکھا گیا ہے وہ درحقیقت ناکارہ، ناپسندیدہ اور غلط مطالب سے بھری ہوئی ہے۔ تاہم اس پر ہم کسی فرصت کے وقت گفتگو کریں گے۔ فی الحال ہم اپنی اس بحث کو جو ہمارے سردار ابوطالبؑ کے ایمان کے بارے میں ہو رہی تھی، ان کی شان میں کہے گئے دو قصیدوں کے ساتھ ختم کرتے ہوئے ان کے لیے خدائے تعالیٰ سے رحمت طلب کرتے ہیں۔

پہلا قصیدہ

یہ قصیدہ — فقہ، فلسفہ اور اخلاق کے استاد — عالم بزرگوار

[1] صحیح بخاری

آیت اللہ شیخ محمد حسین اصفہانی نجفی کی کاوش کا نتیجہ ہے۔ شیخ موصوف چودھویں صدی میں حدیث غدیر کے موضوع پر لکھنے والے عظیم شاعروں میں سے ہیں:

مصطفیٰ کے چچا کے دل میں ہدایت کا نور
پوشیدہ ہوتے ہوئے بھی خوب ظاہر ہے
ان کے پوشیدہ ایمان نے ان کا نام اتنا بلند کیا
کہ پاک لوگوں کے ہاتھوں کے علاوہ کوئی اسے چھو نہیں سکتا
وہ — ابوطالبؑ — خاتم النبیینؐ کے کفیل ہیں
انہوں نے پوری قوت سے پیغمبرؐ کی حمایت کی ہے
وہ اپنے زمانے میں پیغمبرؐ کے واحد مددگار رہتے
اور پیغمبرؐ کی دعوت کے آغاز میں ان کا مضبوط سہارا
وہ پیغمبرؐ کے قبیلہ (بنی ہاشم) کے سربراہ اور ان کی قوم قریش کے رہنما تھے
وہی ہیں جو مشکل وقت میں نبیؐ کی مستحکم پناہ گاہ تھے
ابوطالبؑ، عالی قدر اور بلند مرتبہ پیغمبرؐ کی نصرت کے لیے اُٹھ کھڑے ہوئے
حتیٰ کہ اسلام کی بنیادیں محکم اور ستون قائم ہوگئے
انھوں نے پیغمبرؐ کے دفاع میں اپنی پوری کوشش اور ہمت صرف کردی
یہاں تک کہ ہدایت دینے والے پیغمبر کا دین روشن ہوگیا

ابوطالبؑ نے کفار قریش کی ایذا رسانی کے مقابلے میں پیغمبرؐ کی حمایت کی

یہ ان کی قوت اور رعب تھا جس نے جابروں کو نیچا دکھایا

فخر کرنے کے لیے ابوطالبؑ کا یہی شرف کافی ہے

کہ انہوں نے خدا کے نبی و رسولؐ کی کفالت کی ہے

پیغمبرؐ کی تعریف میں ابوطالبؑ کی فصیح زبان کے الفاظ

ان کی تلوار سے زیادہ کاٹ کرنے والے ہیں جو پیغمبرؐ کے دشمنوں پر چلی

ام القری (مکہ) نے ابوطالبؑ کے نور سے روشنی پائی

وہ نور جو کوہ طور کے نور کی مانند تھا

اور کیوں نہ ہو؟ جبکہ وہ نورانی (ائمہؑ) کے باپ ہیں

ان سے کئی چاند نکلے اور کئی سورج ابھرے ہیں

ابوطالبؑ شجرۂ ابراہیمؑ کی سب سے پاک شاخ ہیں

اس لیے وہ خاص شرافت اور نجابت کے مالک ہیں

وہ وصیٔ پیغمبرؐ، علیؑ کے اور جعفر طیارؓ کے باپ ہوئے

اور مجھے اپنی جان کی قسم ہے کہ یہ فخر اور شرف کی انتہا ہے

ابوطالبؑ کے نور سے شہر مکہ روشن ہو گیا

اور نہ صرف مکہ بلکہ زمین و آسمان بھی روشن ہو گئے

یہ ان کی ریاست اور شجاعت ہی کا سایہ تھا

کہ جس کی بدولت پیغمبرؐ کا امرِ رسالت کامل ہو گیا

یہ ان کی حمایت کا ہی نتیجہ تھا کہ اسلام آگے بڑھا

اور یہ ایک ایسی بڑائی ہے جو کسی دوسرے نے حاصل نہیں کی

پیغمبرؐ کا پرچم ابوطالبؑ کی عالی ہمتی سے بلند ہوا

اور ان کے اعلیٰ رتبے کے اظہار کے لیے یہی کافی ہے

یہ ابوطالبؑ ہیں جو تعریف کے مستحق قرار پاتے ہیں

مگر یہ تعریفیں ان کی شان کے بیان سے قاصر ہیں

ابوطالبؑ کی بزرگی اور عظمت ہر تعریف سے بلند تر ہے

لیکن یہ تعریف ہی ان کی وہ یاد ہے جو دلوں کو زندہ کرتی ہے

دوسرا قصیدہ

یہ قصیدہ علامہ حجت شیخ عبدالحسین صادق عاملی قدس سرہ نے لکھا ہے، ہم اس کے کچھ اشعار یہاں نقل کرتے ہیں:

اگر ابوطالب نہ ہوتے تو مسلمانوں کی قوت مستحکم نہ ہوتی

اور توحید کا چشمہ اپنے مرکز پر جاری نہ ہوتا

انہوں نے اپنی پوری قوت سے پیغمبرؐ کی حمایت کی اور دفاع بھی کیا

اور سب شہری دیہاتی لوگوں میں افضل پیغمبرؐ کا دین استوار ہو گیا

ابوطالبؑ کے بعد شہر مکہ اپنی تمام وسعتوں کے ساتھ

رسول خدا کے لیے تنگ و تاریک ہو گیا تھا

وہ سال جس میں پیغمبرؐ کے چچا ابو طالبؑ اور ان کی بیوی خدیجہؑ کا
کا انتقال ہوا

انہوں نے اس سال کو غم میں گزارا اور دونوں کے لیے روتے رہے
کتنا عظیم ہے اس شخص کا ایمان جس کے لیے مصطفیٰؐ سال بھر روئے ہوں
وہ سال جس کے دن ان کے لیے رات سے بھی زیادہ تاریک تھے
تمام نورانی ہستیاں ابو طالب کی نسل میں ہو کر چمکتی رہیں
جن میں سے پہلے علی مرتضیٰؑ ہیں اور آخری ذخیرۂ خدا مہدیؑ ہیں
یہ ہیں سردارِ مکہ ابو طالبؑ کی زندگی کے مختلف پہلو اور ان کے خالص ایمان کی نشانیوں کے تذکرے!

ہم نے ان کو فقط خدا کی رضا کے لیے تحریر کیا ہے تاکہ اہل کتاب یقین کریں، ایمان والوں کے ایمان میں اضافہ ہو اور اہل کتاب اور مومنین شک و شبہ میں مبتلا نہ ہوں۔ جو لوگ ان کے بعد آئیں وہ کہیں کہ اے پروردگار ہمیں اور ہمارے ان بھائیوں کو بخش دے جنہوں نے ایمان لانے میں ہم پر سبقت کی ہے اور ایمان لانے والوں کے لیے ہمارے دلوں میں کوئی کجی نہ آنے دے ___ اے خدا! بے شک تو مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔ [1]

---

[1] ان سطور میں سورۂ حدید آیت ۲۷، سورۂ مدثر آیت ۳۱ اور سورۂ حشر آیت ۱۰ کے مفاہیم کو مسلسل لکھا گیا ہے۔